شاہ ولی اللہ کے علم کلام کا تنقیدی مطالعہ

مقالہ برائے ایم۔ فل (علوم اسلامیہ)

مقالہ نگار: افضل الدین
رول نمبر بی۔ ۷۹۴۳۲۸۱

نگران مقالہ: ڈاکٹر محمد الغزالی
ادارہ تحقیقات اسلامی، اسلام آباد

شعبہ علوم اسلامیہ علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد
اگست ۱۹۹۶ء
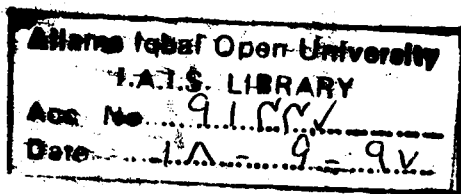
Al-Dirasat al-Islamiyyah
Islamic Research Institute

الدراسات الاسلامية
مجمع البحوث الاسلامية

Ref.__________ الاشارة : __________

Date__________ التاريخ : __________

Editor: Muhammad Al-Ghazali

رئيس التحرير : محمد الغزالي

بسم الله الرحمن الرحيم

ابتدائی رپورٹ

علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی کے ایم فل (علوم اسلامیۃ) کے طالب علم جناب افضل الدین صاحب (رول نمبر بی – ۷۹۲۳۳۸۱) نے اپنا مقالہ بعنوان : " شاہ ولی اللہ کے علم کلام کا تنقیدی مطالعہ " میری نگرانی میں مکمل کرلیا ہے – جناب افضل الدین کو میں اس تحریر کے ذریعہ اس بات کی اجازت دیتا ہوں کہ وہ اس مقالہ کو ضروری کاروائی کے لئے یونیورسٹی کے سامنے پیش کردیں –

(محمد الغزالی)

ایسوسی ایٹ پروفیسر

إِنَّ الدِّينَ عِندَ اللَّهِ الْإِسْلَامُ ۗ — آل عمران: ۱۹

قُلْ فَلِلَّهِ الْحُجَّةُ الْبَالِغَةُ ۖ — الانعام: ۱۴۹

وَكَلِمَةُ اللَّهِ هِيَ الْعُلْيَا ۗ — التوبہ: ۴۰

لَا إِكْرَاهَ فِي الدِّينِ ۖ قَد تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ ۚ
فَمَن يَكْفُرْ بِالطَّاغُوتِ وَيُؤْمِن بِاللَّهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ
بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقَىٰ لَا انفِصَامَ لَهَا ۗ — البقرہ: ۲۵۶

صَدَقَ اللَّهُ الْعَظِيمُ

ہدیۂ تشکر

حمد و ثنا رب بزرگ و برتر کے لئے ہیں جس نے انسان کو خیر و شر میں امتیاز کرنے اور قوت گویائی کی اعلیٰ صلاحیتوں سے سرفراز کیا۔ درود و سلام حضرت محمد ﷺ پر جسے اللہ تعالیٰ نے قیامت تک ساری انسانیت کی رہنمائی کے لئے دین کامل اور براہین قاطعہ کے ساتھ مبعوث فرمایا۔ ہزاروں رحمتیں نازل ہوں ان بزرگان دین اور مصلحین امت کی ارواح پر جنہوں نے آنحضرت ﷺ کے وصال کے بعد اسلام کی ابدی اور آفاقی تعلیمات کی توضیح و تبلیغ وقت کے تقاضوں کے مطابق کرتے ہوئے رشد و ہدایت کا سلسلہ جاری رکھا۔

میں علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی اسلام آباد کے لئے سراپا سپاس ہوں جو تشنگان علم و ہنر کے لئے مختلف تعلیمی سطح پر مفید ' معیاری اور دلچسپ تدریسی پروگرام پیش کر رہی ہے جس میں ایک اہم تدریسی پروگرام ایم۔فل علوم اسلامیہ کا کورس بھی ہے۔ جس کی بدولت ایک طرف طلبا کو مشفق و ماہر اساتذہ کی نگرانی میں اعلیٰ سطح پر اپنی فکری اور علمی صلاحیتوں کو پروان چڑھانے کا موقع ملتا ہے۔ دوسری طرف اہم دینی مسائل و مباحث پر تحقیق ہو کر اشاعت دین کا کام بھی انجام پاتا ہے۔

میں جناب ڈاکٹر محمد طفیل ہاشمی صاحب ڈائریکٹر شعبہ عربی و ادارہ علوم اسلامیہ کا خصوصاً" اور ارکان ادارہ علوم اسلامیہ علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی اسلام آباد کا عموماً" بے حد ممنون ہوں جنہوں نے ایم۔فل علوم اسلامیہ کے مقالے کے لئے زیر نظر موضوع کی منظوری مرحمت فرمائی۔

میں اپنے محسن و مشفق استاد جناب ڈاکٹر محمد الغزالی صاحب ادارہ تحقیقات اسلامی بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد کا بہت بہت مشکور ہوں جن کی علمی سایۂ عاطفت میں یہ مقالہ پایۂ تکمیل کو پہنچا۔ موصوف محترم اپنی گوناگوں مصروفیات سے قیمتی وقت نکال کر مقالے کی علمی و فنی پہلوؤں کو درست رکھنے میں مفید

مشوروں سے نوازتے رہے۔

میں اپنے سابق استاد محترم جناب ڈاکٹر سعید اللہ قاضی صاحب، ڈین فکلٹی آف اسلامک اسٹڈیز اینڈ عربک پشاور یونیورسٹی کا بھی ممنون ہوں۔ جنہوں نے اس تحقیقی کام کے لئے میری حوصلہ افزائی فرمائی اور ضروری تعاون بھی فرماتے رہے۔

جناب ڈاکٹر عبدالقادر سلمان صاحب اسسٹنٹ پروفیسر شعبہ اسلامیات پشاور یونیورسٹی اور جناب ڈاکٹر عنایت اللہ صاحب گورنمنٹ کالج بونی چترال بھی مقالے کی ترتیب و تکمیل کے مختلف مراحل میں میرے ساتھ تعاون کرنے پر میرے شکریے کے مستحق ہیں۔

مقالے کے لئے مطلوب مواد تک رسائی میں مدد دینے اور ان کی فراہمی پر میں جناب شیر نوروز خان صاحب لائبریرین و جناب غلام حسین بٹ صاحب ادارہ تحقیقات اسلامی، جناب گل امان صاحب لائبریرین دعوۃ اکیڈیمی بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد اور جناب خلیل اللہ صاحب لائبریرین گورنمنٹ کالج بونی کا خاص طور پر مشکور ہوں۔ ان کے علاوہ اس سلسلے میں ضروری تعاون فرمانے میں جناب محمد عمر صاحب لائبریرین ادارہ علوم اسلامیہ علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی اسلام آباد، جناب ہدایت اللہ صاحب لائبریرین گورنمنٹ کامرس کالج چترال، جناب تنویر حسین صاحب لائبریرین شیخ زید اسلامک سنٹر پشاور یونیورسٹی اور جناب جنت نعیم صاحب لائبریرین شعبہ اسلامیات پشاور یونیورسٹی کا شکریہ ادا کرنا اپنا فرض سمجھتا ہوں۔

خدا ان سب کو جزائے خیر عطا فرمائے۔ (آمین)

افضل الدین

گورنمنٹ کالج بونی، ضلع چترال صوبہ سرحد

فہرست ابواب

پیش لفظ — و ـــ ر

باب اول

مباحث کلامیہ پر عمومی نظر — ۱ ـــ ۳۰

فصل اول : علم کلام کی تعریف، وجہ تسمیہ اور آغاز — ۱ ـــ ۹

فصل دوم : علم کلام کے مباحث — ۱۰ ـــ ۱۲

فصل سوم : علم کلام میں مختلف مکاتب فکر — ۱۳ ـــ ۲۶

فصل چہارم : برصغیر میں علم کلام — ۲۷ ـــ ۳۰

باب دوم

شاہ ولی اللہ کے کلامی مباحث — ۳۱ ـــ ۸۴

فصل اول : شاہ صاحبؒ کے کلامی مباحث کا ایک جائزہ — ۳۱ ـــ ۳۷

فصل دوم : شاہ صاحبؒ کے تمہیدی مباحث اور ان کی اہمیت — ۳۸ ـــ ۴۳

فصل سوم : عقائد — ۴۴ ـــ ۵۲

فصل چہارم : عبادات ۵۳ —— ۵۹

فصل پنجم : اسرار شریعت ۶۰ —— ۶۶

فصل ششم : تصوف ۶۷ —— ۷۱

فصل ہفتم : خلافت ۷۲ —— ۷۸

فصل ہشتم : عمرانیات ۷۹ —— ۸۴

باب سوم

شاہ صاحبؒ کے کلام کی خصوصیات ۸۵ —— ۱۰۵

فصل اول : قرآن و سنت سے استدلال ۸۵ —— ۸۸

فصل دوم : آثار صحابہؓ سے استدلال ۸۹ —— ۹۱

فصل سوم : کشف سے استدلال ۹۲ —— ۹۵

فصل چہارم : دین کا ایک جامع اور ہمہ گیر تصور ۹۶ —— ۹۸

فصل پنجم : اعتدال ۹۹ —— ۱۰۰

فصل ششم : نئی اصطلاحات کا استعمال ۱۰۲ —— ۱۰۵

باب چہارم

شاہ صاحبؒ کے کلام کی مشکلات ۱۰۶ —— ۱۱۹

فصل اول : کشف کا وسیع استعمال ۱۰۶ —— ۱۰۹

فصل دوم : پیچیدہ اور عمیق انداز بیان ۱۱۰ —— ۱۱۳

فصل سوم : واردات قلبی کی بکثرت تصویر کشی ۱۱۴ —— ۱۱۶

فصل چہارم : انتشار مضامین ۱۱۷ —— ۱۱۹

باب پنجم

شاہ صاحبؒ کے کلام کے اغراض و مقاصد ۱۲۰ —— ۱۴۱

فصل اول : دعوت و احیائے دین ۱۲۰ —— ۱۲۴

فصل دوم : غلبہ دین ۱۲۵ —— ۱۲۹

فصل سوم : مختلف نظریات، تصورات اور مکاتب فکر کے درمیان اعتدال کا تعین ۱۳۰ —— ۱۳۶

فصل چہارم : مسلمانوں کو درپیش سیاسی، معاشرتی اور معاشی مسائل کا حل ۱۳۷ —— ۱۴۱

باب ششم

نتائج تحقیق ۱۴۲ —— ۱۶۲

فصل اول : شاہ صاحبؒ کے کلام پر اجمالی تبصرہ ۱۴۲ —— ۱۵۰

فصل دوم : شاہ صاحبؒ کے کلام کے اثرات ۱۵۱ —— ۱۵۴

فصل سوم : شاہ صاحبؒ کے کلام کو آگے بڑھانے کی ضرورت ۱۵۵ —— ۱۶۲
مراجع و مصادر ۱۶۳ —— ۱۸۰

پیش لفظ

گذشتہ صدیوں میں احیائے دین اور اشاعت اسلام کے سلسلے میں جو کاوشیں کی گئیں ان کا جائزہ لینے سے ظاہر ہوتا ہے کہ تعلیمات اسلام کی توضیح اور اشاعت میں شاہ صاحبؒ سے قبل مختلف علما مفکرین اور مجددین کا مخصوص انداز رہا۔ ان میں سے بعض نے علوم باطنیہ کو اپنی توجہ، دلچسپی اور سرگرمی کا محور بنایا۔ اور صرف اسی دائرے کے اندر رہتے ہوئے تذکیۂ نفس کا فریضہ انجام دیا۔ جبکہ بعض نے ظاہری علوم (تفسیر حدیث، فقہ) میں سے کسی ایک یا چند شعبوں کی توضیح کو اپنا موضوع بنایا۔ ان کی تعلیمی و تبلیغی سرگرمیاں محض منقولات کے حوالے سے اسلامی احکامات کے فضائل بیان کرنے اور ان کی عمومی توضیح تک محدود رہیں۔ فلاح انسانیت اور تکمیل بشریت کے لئے بطور دستور حیات اسلام کے جملہ احکامات (شریعت و طریقت) کی ضرورت، افادیت اور ان کی معقولیت کو مربوط اور جامع انداز میں بیان کرنے کی کوشش یا تو نہیں کی گئی یا محدود اور نامکمل انداز میں کی گئی۔

متقدمین اور متاخرین صوفیا مشائخ، مفکرین، مجددین اور متکلمین کی نسبت شاہ صاحبؒ کی امتیازی خصوصیت یہ ہے کہ موصوف نے اسلامی علوم کے ظاہری اور باطنی دونوں پہلوؤں اور ان کے ذیلی تمام شعبوں سے متعلق اسلامی تعلیمات کی جامع اور مربوط توضیح پیش کی کیونکہ آپؒ بیک وقت ان دونوں علوم کے اعلی مراتب، قطبیت، مجدّدیت اور امامت پر فائز تھے۔ انہی کے طفیل آپؒ نے احیائے دین میں وہ کارہائے نمایاں انجام دیئے جو کئی لحاظ سے ان کے پیشروؤں کی دینی خدمات سے فائق ہے۔ انہوں نے اسلامی علوم کے تمام شعبوں میں مفید و رہنما تصورات و افکار پیش کئے جو اسلامی

علوم کا بیش بہا سرمایہ بن گئے ہیں۔

شاہ صاحبؒ کی دینی خدمات میں بحیثیت دین اسلام کی منفرد اور ممتاز خصوصیات کو نمایاں اور واضح کرنا زیادہ قابل ذکر اور قابل غور ہے۔ اسلامی تعلیمات کی خصوصیات جن کی توضیح پر آپؒ نے خصوصی توجہ دی وہ ان کی جامعیت، ابدیت، ہمہ گیریت اور فطرت انسانی سے مکمل موافقت ہیں۔ ان خصوصیات کی توضیح اور اسلام کی بنیادی اور فروعی تعلیمات کی تشریح میں شاہ صاحبؒ کا انداز متکلمانہ ہے۔

شاہ صاحبؒ کے کلامی مباحث معقول، متوازن، جامع اور باہم مربوط ہیں۔ اور تعلیمات اسلامی کی روح کی حقیقی ترجمان بھی۔ اس لئے عہد حاضر میں بحیثیت مسلمان اشاعتِ اسلام اور احیائے دین کی اہم مذہبی ذمہ داریوں سے بطریق احسن عہدہ برآ ہونے کے لئے ان کا مطالعہ مفید ہی نہیں بلکہ ناگزیر بھی ہے۔ نیز ان کے مطالعے کے ذریعے عالم اسلام خصوصاً پاکستان کو درپیش بعض اہم اور پیچیدہ مسائل کا حل بھی تلاش کیا جاسکتا ہے۔ شاہ صاحبؒ کے کلامی مباحث کی اسی اہمیت کے پیش نظر موضوع زیر نظر کا انتخاب کیا گیا ہے۔

اپنے تنوّع اور طرز استدلال کے لحاظ سے شاہ صاحبؒ کے کلامی مباحث متداول اور معروف کلامی مباحث سے منفرد اور ممتاز ہیں۔ اس مقالے میں ان کے مخصوص منہج پر روشنی ڈالی گئی ہے جو اس مقالے کا مرکزی موضوع ہے۔ علم کلام کے مختلف مکاتب فکر سے شاہ صاحبؒ کے اختلافات کو بیان کرنا یا ان کے ساتھ آپؒ کے افکار کا تقابلی جائزہ پیش کرنا مقصود ہے اور نہ اس کی ضرورت محسوس کی گئی ہے۔

مقالے کی ترتیب اور تیاری میں شاہ صاحبؒ کی تصانیف "حجۃ اللّٰہ البالغۃ" "التفہیمات الہیہ" "البدور البازغۃ" الفوز الکبیر فی اصول التفسیر" اور ازالۃ الخفاعن خلافۃ الخلفاء سے خصوصی طور پر استفادہ کیا گیا ہے۔ ان کی دوسری تصانیف بھی زیر مطالعہ رہیں اصلی ماخذ سے رجوع کرنے کی حتی الامکان کوشش کی گئی ہے۔ تاہم بعض مشکل مقامات پر ان کے تراجم کو بھی پیش نظر رکھا گیا ہے۔ ان کے علاوہ آپؒ کے افکار' فلسفہ اور تعلیمات پر لکھے ہوئے متفرق معاون مواد سے بھی استفادہ کیا گیا ہے۔

مقالے کو مباحث کے اعتبار سے مندرجہ ذیل چھ ابواب اور پھر ذیلی فصلوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔

باب اول : "مباحث کلامیہ پر عمومی نظر" کے عنوان سے قائم کیا گیا ہے جس میں چار فصلیں ہیں۔

فصل اول میں کلام کی تعریف' وجہ تسمیہ اور اسباب آغاز پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

فصل دوم میں کلام کے مباحث کی نشاندہی کی گئی ہے۔

فصل سوم میں کلام کے معروف مکاتب فکر کا تعارف پیش کیا گیا ہے۔

فصل چہارم میں برصغیر میں علم کلام کے عمومی رجحانات کا اجمالی ذکر کیا گیا ہے۔

باب دوم : "شاہ صاحبؒ کے کلامی مباحث" کے عنوان سے ۸ آٹھ فصلوں پر مشتمل ہے۔

فصل اول میں شاہ صاحبؒ کے کلامی مباحث کا عمومی جائزہ پیش کیا گیا ہے۔

فصل دوم میں آپؒ کے کلام کے تمہیدی مباحث کا تعارف اور ان کی اہمیت بیان کی گئی ہے۔

فصل سوم عقائد کے متعلق آپؒ کے بعض مباحث کے تعارف پر مشتمل ہے۔

فصل چہارم اور پنجم بالترتیب عبادات اور شریعت کے دوسرے احکام کے اسرار کے بیان کے متعلق شاہ صاحبؒ کے منہج پر بحث ہے۔

فصل ششم میں تصوف کے متعلق آپؒ کے کلامی مباحث کا تذکرہ کیا گیا ہے۔

فصل ہفتم خلافت کے بارے میں شاہ صاحبؒ کی توضیحات پر مشتمل ہے۔

فصل ہشتم میں عمرانیات کے متعلق آپؒ کے افکار و نظریات کا خلاصہ دیا گیا ہے۔

باب سوم : "شاہ صاحبؒ کے کلام کی خصوصیات" چھ فصلوں میں منقسم ہے۔

فصل اول میں قرآن و سنت سے آپؒ کے استدلال کا انداز اور اس کی مثالیں پیش کی گئی ہیں۔

فصل دوم میں صحابہؓ سے آپؒ کی عقیدت اور ان کے آثار سے استدلال کا تذکرہ ہے۔

فصل سوم میں آپؒ کے کلام میں بطور ماخذ کشف کے مقام کا بیان ہے۔

فصل چہارم میں "شاہ صاحبؒ کے کلام کی جامعیت" بیان کی گئی ہے۔

فصل پنجم میں کلام میں شاہ صاحبؒ کی ایک ممتاز خصوصیت "اعتدال" کا بیان ہے۔

فصل ششم آپؒ کے کلام کی چند نئی اصطلاحات کے تعارف پر مشتمل ہے۔

باب چہارم : "شاہ صاحبؒ کے کلام کی مشکلات" کے عنوان سے قائم کیا گیا ہے۔ اس میں چار فصلیں ہیں۔ جن میں ان مشکلات کی نشاندہی کی گئی ہے جو شاہ صاحبؒ کے کلام کو سمجھنے میں قارئین کو پیش آتی ہیں مثلاً کشف کا وسیع استعمال، واردات قلبی کی بکثرت تصویر کشی، پیچیدہ انداز بیان اور انتشار مضامین۔

باب پنجم : "شاہ صاحبؒ کے کلام کے اغراض و مقاصد" یہ چار فصلوں میں منقسم ہے۔

فصل اول دعوت دین کے ضمن میں شاہ صاحبؒ کی مساعی کے بیان میں ہے۔

فصل دوم غلبہ دین کے سلسلے میں آپؒ کے افکار و خیالات کے بیان پر مبنی ہے۔

فصل سوم مختلف مکاتب فکر کے افکار میں تطبیق پیدا کرنے کے متعلق آپؒ کی کوششوں کے تذکرے پر مشتمل ہے۔

فصل چہارم میں مسلمانوں کو درپیش مسائل کا حل ڈھونڈنے کے سلسلے میں آپؒ کی کوششوں کا جائزہ لیا گیا ہے۔

باب ششم : "نتائج تحقیق" میں "شاہ صاحبؒ کے کلام پر اجمالی تبصرہ" اس کے مختلف اثرات" اور "عہد حاضر میں آپؒ کے کلام کی اشاعت کی ضرورت و اہمیت" بیان کی گئی ہے۔ آخر میں اس ضمن میں چند تجاویز بھی دی گئی ہیں۔

موضوع کی نزاکت اور پیچیدگی کے پیش نظر یہ دعویٰ ہرگز نہیں کیا جاسکتا کہ یہ مقالہ اپنے موضوع پر کوئی حتمی تحقیق ہے۔ البتہ ایک طالب علم کی علمی استعداد کی حد تک شاہ صاحبؒ کے کلامی منہج کو سمجھنے اور پیش کرنے کی مخلصانہ کوشش ہے۔ جو لا علم لنا الا ما علمتنا کے اعتراف کے ساتھ پیش کیا جارہا ہے۔ اور توقع کی جارہی ہے کہ اہل دانش اس میں موجود کوتاہیوں کمزوریوں اور لغزشوں کی اصلاح کرکے اپنا تعلیمی فرض ادا کریں گے۔

اور عام قارئین اسے شاہ صاحبؒ کے کلامی منہج کو سمجھنے میں معاون پائیں گے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے احکامات پر غور کرنے، خود سمجھنے، دوسروں کو سمجھانے اور ان پر عمل کرنے کی طاقت، ہمت اور توفیق سے بہرہ ور فرمائے۔ (آمین)

باب اوّل

مباحث کلامیہ پر عمومی نظر

فصل اول

علم کلام کی تعریف، وجہ تسمیہ اور آغاز

شاہ صاحبؒ کے افکار کے کلامی پہلو پر بحث کا آغاز کرنے سے پیشتر ضروری معلوم ہوتا ہے کہ علم کلام کے مفہوم، مباحث، آغاز، ارتقاء اور اس کے مختلف مکاتب فکر کے رجحانات پر روشنی ڈالی جائے تاکہ اس علم کی تاریخ اور اس کے عمومی مباحث کا خاکہ قارئین کے ذہن میں رہے۔ اس پس منظر کے ذریعے ہی بحیثیت متکلم شاہ صاحبؒ کے مقام کا تعین کیا جاسکتا ہے اور یہ اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ شاہ صاحبؒ کی تعلیمات اور افکار میں کلام کا کیا منصب ہے اور انہوں نے اس فن میں کیا اصلاح و اضافہ کیا؟

علم کلام کی تعریف :

مختلف علمائے کلام اور مؤرخین نے مختلف انداز میں علم کلام کی تعریف کی ہے۔

عبدالنبی (م ۹۹۲ھ) کے بقول :-

هو العلم الباحث عن اصول المبدأ و المعاد علی نهج قانون الاسلام (۱)

ترجمہ : "علم کلام وہ علم ہے جس میں احوال مبدا و معاد سے قانون اسلام کے نہج پر بحث کی جاتی ہے"

ابن خلدون (م ۸۰۸ھ) کے مطابق "علم کلام میں عقائد ایمانیہ پر دلائل عقلیہ سے حجت لائی جاتی ہے اور جو اہل بدعت مذہب سلف سے روگردانی کر کے عقائد ایمانیہ میں شک کرنے لگے ہیں ان

---

(۱) عبدالنبی (دستور العلماء) معارف اسلامیہ، حیدرآباد دکن س ن الجزء الثالث ص: ۱۳۲

کی تردید مقصود ہوتی ہے ان عقائد میں سب سے بڑا عقیدہ توحید کا ہے۔"(۱)

احمد امین کا قول ہے:۔

(۲)

"یبحث فی العقائد بالأدلّة العقلیة والرد علی المخالفین"

ترجمہ : "وہ علم جو عقلی دلائل کے ذریعے عقائد پر بحث اور مخالفین کی تردید کرتا ہے"

بعض کے نزدیک "وہ علم جو اسلامی عقائد کی عقلی دلائل سے بحث کرتا ہے اور عقل کی روشنی میں ان کی حقانیت کو ثابت کرتا ہے"(۳)

علم کلام کی نسبتاً" جامع تعریف ان الفاظ میں کی گئی ہے:

"عقلی استدلال کے ذریعے مذہبی عقائد کا اثبات اور دینی احکام کی عقلی توجیہہ علم کلام کا موضوع ہے بالفاظ دیگر علم کلام سے مراد وہ علم ہے جو دینی احکام و عقائد کو معیار عقل کے مطابق ثابت کرتا ہے۔" (۴)

مذکورہ بالا اقوال و آرا سے واضح ہے کہ علما اور مؤرخین علم کلام کی تعریف میں اگرچہ مختلف الفاظ استعمال کرتے ہیں تاہم ان کا مفہوم تقریباً" ایک ہی ہے اور وہ یہ کہ علم کلام میں عقائد ایمانیہ (خصوصاً" توحید' آخرت) کو دلائل عقلیہ سے ثابت کیا جاتا ہے اور ان عقائد سے متعارض آرا و نظریات کا رد کیا جاتا ہے۔

جدید علم کلام کی تعریف :

تاریخ انسانی کے ہر دور میں علوم و فنون کا دائرہ وسیع ہوتا رہا ہے خصوصاً" موجودہ دور میں انسانی نفسیات' تہذیب و تمدن' معیشت' نظام حکومت اور معاشرت کے متعلق نئے تصورات جنم لے رہے

۱۔ ابن خلدون، عبدالرحمٰن بن محمد (مقدمہ ابن خلدون) لجنۃ البیان العربی قاہرہ ۱۳۸۰ھ الجزُ الثالث ص ۱۱۶۹

۲۔ احمد امین (ضحی الاسلام) الطبعۃ العاشرہ بیروت۔ س ن ج ۳ ص : ۹

۳۔ حق محمد، جی لے (اسلامی اصطلاحات) اکیڈمی معارف اسلامیہ اسلام آباد ۱۹۹۲ء، ص: ۱۸۱

۴۔ حفیظ صدیقی ابوالاعجاز (کشاف تنقیدی اصطلاحات) مقتدرہ قومی زبان اسلام آباد ۱۹۸۵ء ص: ۱۲۵

ہیں جن میں عہد حاضر کے رویوں کے مطابق مسائل کو حل کرنے کی کوشش کی جارہی ہے لہٰذا اس بات کی اشد ضرورت ہے کہ علم کلام کی تعریف و تدوین بھی عہد حاضر کے فکری قالب میں کی جائے گویا موجودہ دور میں درحقیقت علم کلام وہ علم ہے جس میں اسلامی عقائد و عبادات' معاملات' اخلاقیات الغرض جملہ اسلامی نظام حیات کو فلاح انسانی کا واحد ضامن اور انسان کے جسمانی اور روحانی ارتقا کے لئے ناگزیر ثابت کرنے کی کوشش کی جائے اور اسلامی دستور حیات کے متوازی جو تصوراتِ معیشت اور معاشرت قائم کئے جارہے ہیں انہیں دلائلِ عقلیہ سے باطل' ناموزون اور غیر فطری ثابت کیا جائے۔

وجہ تسمیہ علم کلام :

علم کلام کی وجہ تسمیہ کے بارے میں بھی مختلف آرا و خیالات کا اظہار کیا گیا ہے ابن خلدون کی رائے ہے کہ اس علم کا نام الکلام اس لئے ہوا کہ اس میں اہل بدعت سے عقائد پر مناظرے کئے جاتے تھے جو محض گفتگو ہوتی تھی اس کا عمل سے کچھ تعلق نہیں ہوتا تھا۔[۱]

احمد امین (م ۱۳۷۳ھ) کے نزدیک "اس علم کو علم کلام کہنے کی وجہ یہ تھی کہ مسائل عقائد میں جس مسئلے پر بڑے زور شور سے بحث ہوتی رہی اور بڑے معرکے رہے وہ کلام الٰہی کا مسئلہ تھا یا اس وجہ سے کہ یہ علم فلسفہ کے مقابلے میں ایجاد ہوا تھا اس لئے فلسفے کی ایک شاخ (منطق) کے ہم معنی نام پر اس کا بھی نام رکھ دیا گیا"۔[۲]

بعض کے نزدیک اس علم کا نام علم کلام اس لئے ہوا کہ یہ علم شرعیات میں گفتگو کرنے پر قدرت عطا کرتا ہے اس لئے شروع شروع میں اس علم کی تصنیفات میں ابواب کا عنوان "الکلام

---

(۱) ابن خلدون (مقدمہ ابن خلدون) الجزء الثالث، ص: ۱۱۸۰

(۲) احمد امین (ضحی الاسلام) ج ۳ ص: ۹

فی کذا" رکھا گیا اور بعد میں پورے علم کو علم کلام سے موسوم کر دیا گیا۔ (۱)

یہی رائے بظاہر درست معلوم ہوتی ہے اس سے ملتے جلتے خیال کا اظہار ڈاکٹر زبیر احمد نے بھی کیا ہے ان کے نزدیک اسلام کے قدیم دور میں جب یونانی فلسفہ اور اسلامی نظریات ایک دوسرے سے دوچار ہوئے تو مسلمان مصنف "الکلام فی کذا" کے عنوان سے فلسفیانہ مسائل پر اظہار خیال کرنے لگے۔ اور اس موضوع کے لئے یہ عنوان قائم کرنے کا طریقہ اس قدر عام ہوگیا کہ دینی تعلیمات پر فلسفیانہ بحث و تحقیق کرنے والے مخصوص علم کا نام ہی الکلام ہوگیا۔ (۲)

علم کلام کا آغاز :

اس موضوع کا دو پہلوؤں سے جائزہ لیا جاسکتا ہے :۔

۱۔ کلامی نوعیت کے مباحث کا آغاز

۲۔ بطور ایک مستقل فن کے علم کلام کا آغاز

جہاں تک اول الذکر پہلو کا تعلق ہے یہ حقیقت مسلم ہے کہ کلامی نوعیت کے مباحث کا آغاز نزول قرآن کے ساتھ ہی ہوچکا تھا وہ اس طرح کہ قرآن مجید میں اسلامی عقائد کی نہ صرف نشاندہی کی گئی ہے بلکہ ان عقائد کو مظاہر قدرت اور بدیہیات کے حوالے سے عقلی دلائل کے ساتھ واضح اور ثابت بھی کر دیا گیا ہے۔ اثبات توحید، صفات الٰہیہ، اوصاف انبیاءؑ اور امکان قیامت پر قوی عقلی دلائل قائم کئے گئے ہیں۔ نیز اس وقت کے معروف اور بڑے بڑے مذاہب (بت پرستی، یہودیت و نصرانیت) کے بعض غلط عقائد اور رسومات کی تردید اور مذمت کرتے ہوئے انہیں باطل ٹھرایا گیا ہے۔

شاہ صاحب نے ان مباحث کو قرآن کے علوم خمسہ کا ایک شعبہ قرار دیا ہے۔ (۳)

---

(۱)۔ تھانوی، محمد اعلیٰ ابن علی (کشاف اصطلاحات الفنون) طہران ۱۹۶۸ء الجلد الاول ص: ۲۲

(2) ZUBAID AHMAD, DR, THE CONTIBUTION OF INDIA TO ARABIC LITERATURE, ASHRAF PRESS LAHORE, 1968, P: 107

(۳) شاہ ولی اللہ، الفوز الکبیر فی اصول التفسیر [illegible] ص ۳ ۔ مطبع مجتبائی، دہلی

جہاں تک دوسرے پہلو کا تعلق ہے مؤرخین کا خیال ہے کہ بطور ایک مستقل فن کے علم کلام کا آغاز عباسی خلیفہ مہدی کے عہد میں ہوا اور یہ سب سے پہلے ابو الہذیل غلاف (م ۲۲۵ھ) نے اس فن میں کتاب لکھی البتہ علم کلام کی اصطلاح کا استعمال عہد مامون میں ہوا۔[۱] یہ نام معتزلہ کی ایجاد ہے۔ اس سے قبل اعتقادی مسائل کے لئے "الفقہ فی الدین" کے لفظ استعمال کئے جاتے تھے۔[۲] اس عہد میں جب معتزلہ نے فلسفہ میں مہارت حاصل کی اور فلسفیانہ مذاق پر اس فن کی تدوین کی تو اس کا نام علم الکلام رکھا[۳] اس کے بعد یہ بطور ایک فن کے پروان چڑھا۔ اس کے اصول و فروع اور مسائل پر متعدد کتب منصّہ شہود پر آئیں۔ جس کا سلسلہ ابھی تک جاری ہے۔

علم کلام کے آغاز کے اسباب :-

علم کلام کے آغاز کے اسباب کے بارے میں مؤرخین میں مختلف نظریات اور خیالات پائے جاتے ہیں۔ سطور ذیل میں بعض مشہور مؤرخین کے اقوال و آرا پیش کئے جاتے ہیں۔

ابن خلدون کا خیال ہے :

"قرآن و سنت میں عقائد پر بے شمار عقلی دلائل ہیں۔ سلف الہی دلائل سے عقائد کو مانتے تھے ائمہ و علما بھی یہی دلائل پیش نظر رکھا کرتے تھے۔ بعد میں انہی عقائد کی تفصیلات میں اختلاف پیدا ہوگیا۔ جن کا منشا زیادہ تر متشابہ آیتیں ہیں ان سے علما میں اختلافات، مناظروں اور عقلی استدلالات کی بنیاد پڑی اور زیادہ سے زیادہ نقلی استدلال کی بھی۔ اس سے علم کلام نے جنم لیا۔"[۴]

احمد امین نے ان اسباب کو داخلی اور خارجی دو حصوں میں تقسیم کیا ہے داخلی اسباب میں قرآن مجید کا اسلوب استدلال قابل ذکر ہے کہ اس میں اسلام کے بنیادی عقائد کے اثبات میں نقلی اور

---

(۱) شبلی نعمانی، مولانا (علم الکلام اور الکلام) نفیس اکیڈمی اردو بازار کراچی، ص: ۳۵
(۲) احمد امین (ضحی الاسلام) مطبع بیروت الطبعۃ العاشرہ س ن ج ۳ ص: ۱۰
(۳) شبلی نعمانی (علم الکلام اور الکلام) ص: ۳۵
(۴) ابن خلدون (مقدمہ ابن خلدون) الجزء الثالث ص: ۱۱۰۶

عقلی دلائل پیش کئے گئے ہیں اور اہم ادیان کے عقائد و نظریات سے بحث کرکے انہیں باطل ٹھرایا گیا ہے اور ان کے اعتراضات کا جواب دیا گیا ہے۔ گویا قرآن میں واضح طور پر علم کلام کے لئے بنیاد فراہم کردی گئی ہے۔

خارجی اسباب میں مسلمانوں کا فتوحات سے فارغ ہونے کے بعد فلسفے کی طرف مائل ہونا' اس میں غور اور خوض کرنا اور اہل فلسفہ کے اعتراضات کا جواب دینے کے لئے اسلام کی سادہ تعلیمات کو فلسفیانہ اصولوں پر مرتب کرنا شامل ہیں۔ سیاسی مسائل جیسے بحث امامت بھی اس کے وجوہ آغاز میں سے ہیں۔(۱)

علامہ شبلی نعمانی (۱۹۳۲ء) نے علم کلام کے آغاز کے خارجی اسباب پر نسبتاً وضاحت سے بحث کی ہے وہ لکھتے ہیں :۔

"دولت عباسیہ میں جب یونان و فارس کے علمی ذخیرے عربی زبان میں آئے اور تمام قوموں کو مذہبی مباحثات و مناظرات میں عام آزادی دی گئی تو اسلام کو ایک بڑے خطرے کا سامنا پیش آیا۔ پارسی' عیسائی' یہودی اور زنادقہ ہر طرف اٹھ کھڑے ہوئے اور فتوحات اسلام کے آغاز میں ان کو جو صدمہ اسلام کی تلوار سے پہنچ چکا تھا اس کا انتقام قلم سے لینا چاہا عقائد و مسائل اسلام پر اس آزادی اور بیباکی سے نکتہ چینیاں کیں کہ ضعیف العقیدہ مسلمانوں کے اعتقاد متزلزل ہوگئے۔

اس وقت اگرچہ آسانی سے ممکن تھا کہ حکومت کے زور سے نکتہ چینوں کی زبانیں بند کردی جاتیں لیکن مسلمانوں کی آزاد خیالی نے اس ننگ کو گوارا نہ کیا کہ قلم کا جواب تلوار سے دیا جائے۔

علمائے اسلام نے نہایت شوق اور محنت سے فلسفہ سیکھا جو ہتھیار مخالفین نے اسلام کے مقابلہ

---

(۱) احمد امین (ضحی الاسلام) ج ۳، ص ۱: - ۷

میں استعمال کئے تھے۔ان ہی سے ان کے وار روکے انہی معرکوں کے کارنامے ہیں جو آج علم کلام کے نام سے مشہور ہیں۔(۱)

ایک دوسرے مقام پر لکھتے ہیں کہ ”عباسی خلیفہ مہدی کے زمانے میں سرکاری طور پر علمائے اسلام کو حکم دیا گیا کہ وہ دین اسلام پر کئے جانے والے اعتراضات کے جواب میں کتابیں لکھیں۔(۲)

مندرجہ بالا اقوال و آرا سے ظاہر ہوتا ہے کہ علم کلام کے آغاز و ارتقا کے بڑے اسباب مندرجہ ذیل تھے۔

۱) قرآن مجید میں اسلام کے عقائد ایمانیہ کے اثبات اور منکرین کے غلط و باطل عقائد کی تردید میں ٹھوس عقلی اور نقلی دلائل پیش کر کے گویا کلامی نوعیت کے مباحث کا عملاً آغاز کر دیا گیا۔ قرآن مجید کا یہ اسلوب دعوت و تبلیغ علم کلام کے ارتقا کا بڑا واضح سبب ہے۔

۲) قرآن مجید کی متشابہ آیات میں بھی مختلف مکاتب فکر کے درمیان بحث اور مباحثے کا موضوع بن گئے۔

۳) مختلف اہل مذاہب حلقہ بگوش اسلام ہوئے تو مسلمانوں پر ان کے افکار و نظریات اور علوم و فنون کے وسیع اثرات مرتب ہوئے ان میں سے بعض نے اپنے سابقہ مخصوص عقائد کو اسلام کے لبادے میں متعارف کرنے کی کوشش کی۔

۴) مسلمانوں میں فلسفہ یونان کی اشاعت ہونے کی وجہ سے اسلامی تعلیمات کے متعلق بہت سے شبہات پیدا ہوگئے تو ان شبہات کے ازالہ کے لئے مسلمانوں کو فلسفہ یونان کا مطالعہ کر کے اسی کے مطابق ان کے رد میں کتابیں لکھنی پڑیں۔

---

(۱) شبلی نعمانی (علم الکلام اور الکلام) ص: ۱۵-۱۶

(۲) ایضاً ص: ۳۵

۵) بعض مکاتب فکر (معتزلہ) کو سرکاری سرپرستی میسر آئی جو اس کے ارتقا کا باعث ہوئی۔

۶) مرور ایام کے ساتھ بعض نئے سیاسی اور علمی مسائل سامنے آئے تو ان کی توضیح میں مباحثوں اور مجادلوں کا سلسلہ جاری ہوا۔

اس موقع پر ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ان مخصوص مسائل کی نشاندہی کی جائے جو مسلمانوں کے درمیان اختلافات کا سبب بن گئے اور جنہوں نے علم کلام کے لئے غذائی مواد فراہم کیا یہ بنیادی پر چار مسائل تھے۔

۱) صفات الٰہی کا اثبات و نفی :

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کے لئے بعض ایسے الفاظ استعمال کئے گئے ہیں جو جسمانیت پر دلالت کرتے ہیں بعض علما (محدثین و اشاعرہ) نے ان سے حقیقی مفہوم مراد لیا جب کہ دیگر اصحاب (معتزلہ) نے ان سے مجازی معنی مراد لیا۔

۲) قدر و جبر کا مسئلہ :

بعض حضرات نے انسان کو اپنے افعال میں مختار محض قرار دیا اور کہا کہ اسی وجہ سے ایک شخص کو ثواب یا عذاب مل سکتا ہے جب کہ بعض علما نے شدت کے ساتھ انسان کو اپنے افعال اور ارادوں میں مجبور قرار دیا۔

۳) عقائد و اعمال :

یہ اختلاف کہ انسان کے اعمال اس کے ایمان میں داخل ہیں یا نہیں۔

۴) عقل ونقل

یہ اختلاف کہ عقل و نقل میں کس چیز کو ترجیح ہے اور ان کے حدود کیا ہیں؟ اشاعرہ نقل کو ترجیح دیتے ہیں اور معتزلہ عقل کو۔(۱)

---

(۱) شبلی نعمانی (علم الکلام اور الکلام) ص: ۲۷ تا ۲۹

فصل دوم

علم کلام کے مباحث

علم کلام کے مفہوم کے ضمن میں اس کے مباحث کا بیان بھی کسی حد تک آگیا ہے۔ یہ موضوع بھی مفکرین اور مؤرخین کے درمیان اختلاف کا باعث رہا ہے کہ علم کلام میں کون کون سے مباحث زیر بحث آتے ہیں یا آنے چاہیں؟ سطور ذیل میں اس سلسلے میں چند معروف مؤرخین اور علمائے کرام کے اقوال بیان کئے جاتے ہیں عبدالنبی (م ۹۹۲ھ) علم کلام کے مباحث کی نشاندہی کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"علم کلام کا موضوع اللہ تعالیٰ کی ذات، صفات ثبوتیہ، سلبیہ اور افعال ہیں جیسے دنیا میں حدوث عالم اور آخرت میں اجسام کا جی اٹھانا۔"(۱)

الایجی (م ۷۸۰ھ) کے بقول "علم کلام کے مباحث عقائد کا ثبوت بہم پہنچاتے ہیں اور ان دوسرے مباحث کا بھی، جن پر عقائد کا دارو مدار ہے۔"(۲)

ابن خلدون (م ۸۰۸ھ) کا خیال ہے علم کلام کا موضوع وہ تسلیم شدہ عقائد ایمانیہ ہیں جن کا ثبوت پختہ دلائل سے بہم پہنچایا جائے تاکہ بدعت کی بیخ کنی ہو شکوک رفع ہوں اور عقائد میں تشبیہ کا لغو خیال سراسر باطل ثابت ہو جائے۔(۳)

علامہ شبلی نعمانی نے علم کلام کو مباحث اور نوعیت کے اعتبار سے دو حصوں میں تقسیم کیا ہے۔ ان کے نزدیک "علم کلام کی دو جداگانہ قسمیں ہیں۔ اور دونوں کے مقاصد جدا ہیں۔ پہلا علم کلام وہ

---

(۱) ۔ عبدالنبی (دستور العلماء) حیدرآباد، دکن الجزء الثالث، ص : ۱۳۲
(۲) ۔ الایجی (المواقف) مصر ۱۳۲۵ طبع اول ص : ۱۱
(۳) ابن خلدون (مقدمہ ابن خلدون) الجزء الثالث ص : ۱۱۸۲

ہے جو خاص اسلامی فرقوں کے باہمی جھگڑوں سے پیدا ہوا' اور یہ بڑی وسعت سے پھیلتا گیا۔ اس کی بدولت بڑے ہنگامے ہوئے۔ اس میں صرف قلم سے نہیں بلکہ تلوار سے بھی کام لیا گیا اور اس سے اسلام کی طاقت کو صدمہ پہنچا۔ دوسرا علم کلام وہ تھا جو فلسفے کے مقابلے میں ایجاد ہوا۔

متقدمین کے ہاں یہ دونوں الگ الگ اقسام علم تھیں۔ امام غزالیؒ نے فلسفہ و کلام میں اختلاط و اشتراک کی بنیاد ڈالی۔ امام رازیؒ نے اسے اور ترقی دی اور پھر متاخرین نے اس قدر خلط ملط کر دیا کہ فلسفہ و کلام' اصول و عقائد سب گڈ مڈ ہو کر ایک معجون مرکب بن گیا۔"[1]

احمد امین (م ۱۹۵۴ء) نے علم کلام کے مباحث کی نسبتاً جامع درجہ بندی کی ہے۔ ان کے بقول علم کلام کی چار قسمیں ہیں۔

۱۔ علم کلام کی سب سے اہم قسم الھیاتی مسائل سے بحث کرتی ہے مثلاً" اللہ تعالیٰ' اس کی ذات و صفات و افعال' انبیاء و رسل وغیرہ۔

۲۔ علم کلام کی حکمیہ قسم جن کا تعلق زیادہ تر طبعیات' کیمیا' جوہر' عرض جزء' حرکت و سکون سے ہے۔

۳۔ علم کلام کی سیاسی قسم جیسے بحث امامت

۴۔ علم کلام کی عقلی قسم خیر و شر' ارادہ و اختیار' اعجاز القرآن کی بحث[2]

محولہ بالا مؤرخین و محققین نے علم کلام کے مباحث کی جو نشاندہی کی ہے وہ حتمی اور جامع نہیں ہے۔ انہوں نے علم کلام کے چند پہلوؤں کا تذکرہ کیا ہے اور اس کے بعض اہم پہلوؤں کو نظر انداز کر دیا ہے۔ جیسا کہ عرض کیا جاچکا ہے کہ عہد حاضر میں سائنسی انکشافات و ایجادات اور فکری نظریات کا

---

(۱) شبلی نعمانی (علم الکلام) ص: ۱۹-۲۰

(۲) احمد امین (ظہر الاسلام) طبع ثانیہ قاہرہ ۱۹۶۱ء ج ۲ ص: ۳-۴

دائرہ وسیع ہو چکا ہے جب تک انسانی علوم اور افکار میں ترقی اور توسیع کا عمل جاری رہے گا' علم کلام کی ضرورت رہے گی اور کلامی مباحث میں تنوع اور ارتقا جاری رہے گا۔ اس لئے کہ دین کی بنیادی تعلیمات' عقائد' احکام شریعت' اخلاقیات و مسائل تصوف کو عقلی بنیادوں پر اس طرح ثابت کرنا کہ اس ثبوت کی بنیاد محض نصوص اور نقلی دلائل نہ ہوں بلکہ رائج الوقت علوم و معارف اور اسالیب فکر ہوں' یہ عمل جاری رہے گا۔ یہی کلام کا جوہر ہے۔ اس مفہوم کے اعتبار سے "کلام" کا دائرہ خاصا وسیع ہے۔ بنا بریں بہت سے ایسے علما بھی متکلمین کے زمرہ میں شمار کئے جانے کے مستحق ہیں جنہوں نے خاص علم کے موضوع پر کوئی فنی کتاب نہ بھی تحریر کی ہو مگر مذکورہ بالا نہج پر دین کی تعلیمات کے حق میں عقلی دلائل اور علمی بنیاد فراہم کی ہو۔ اور یہ بات ایک مسلمان متکلم کی ذمہ داریوں میں شامل ہے کہ وہ اسلامی تعلیمات کی ابدی اور آفاقی پہلوؤں کو عقلی استدلال کے ذریعے عصری اسلوب میں نمایاں اور ثابت کرے۔ اور بحیثیت دین اسلام کی ان امتیازی خصوصیات کو اجاگر کرے۔ جن کی بنا پر اللہ تعالیٰ نے اسے بطور دین پسند اور منتخب فرمایا ہے۔[1]

---

(۱) النساء ۵:۳

فصل سوم

کلام کے مختلف مکاتب فکر

جیسا کہ عرض کیا جا چکا ہے کہ مسلمانوں کے باہمی اندرونی اختلافات علم کلام کے فروغ اور ارتقا کا ایک سبب تھا۔ زیادہ اہم سبب یہ تھا کہ جب مسلمانوں کی سلطنت کی حدوں میں توسیع ہوئی اور انہیں مختلف تہذیبوں اور ان کے علوم سے سابقہ پیش آیا تو نئے نئے سوالات بھی ان کے سامنے آئے۔ ان سوالات کا جواب دینے اور ان کے متعلق اسلام کا نقطہ نظر عقلی اور علمی طور پر بیان کرنے کے نتیجہ میں کلامی مباحث کو فروغ ہوا۔ مختلف نظریات اور عقائد کے حامل اور ان کا پرچار کرنے والے مکاتب فکر منظر عام پر آنے لگے۔ ان میں سے بعض تو اپنے مابہ الامتیاز عقائد و نظریات کے نام سے معروف ہوگئے جیسا کہ قدریۃ' جبریۃ ومرجئۃ اور بعض اپنے عقائد کے بانیوں کے نام سے پہچانے گئے مثلاً اشاعرہ اور ماتریدیۃ۔اول الذکر کا دائرہ اثر محدود اور عاضی رہا جبکہ موخر الذکر مکاتب فکر کے اثرات نسبتاً وسیع اور دیرپا ثابت ہوئے۔ صفحات ذیل میں معروف مکاتب فکر اور ان کے مابہ الامتیاز عقائد کا تعارف پیش کیا جاتا ہے۔

۱۔ جبریۃ وقدریۃ

عقیدہ جبر کے آغاز کے متعلق وثوق سے کچھ نہیں کہا جاسکتا۔ بعض کے نزدیک اس کا آغاز عہد صحابہؓ ہی سے ہوگیا تھا۔ اور بعض مشرکین بھی اس کے قائل تھے۔[۱] البتہ ایک مخصوص مکتب فکر کے طور پر اس کا موجد جعد بن درہم تھا۔ جس نے یہ عقیدہ یہودیوں سے لیا تھا۔ اور اس سے یہ عقیدہ

(۱) محمد ابو زہرہ (المذاہب الاسلامیہ) مکتبۃ الآداب جمامیز مصر س ن ص : ۱۲۳

جہم بن صفوان م(۱۲۸ھ) نے لیا اور اس کو اس مکتب فکر کا بانی سمجھا جاتا ہے اس عقیدے کی رو سے انسان مجبور محض ہے۔ اس کا نہ کوئی آزاد ارادہ ہے اور نہ اختیار ئہ اسے اپنے اقوال پر قدرت حاصل ہے وہ ایک تنکے کی طرح ہے' جو تیز ہوا کے ساتھ اڑا جارہا ہو یا لکڑی کا ایک ٹکڑا ہے جو موجوں کے رحم و کرم پر ہو[۱] عقیدہ جبر اموی دور کے اوائل میں پھیلا اور اس کے آخری دور میں ایک مسلک کی صورت اختیار کرلی۔[۲]

عقیدہ جبر کے مقابلے میں ایک اور نقطۂ نظر پیدا ہوا جس کے ماننے والے قدریہ کہلائے۔ ان کے نزدیک انسان اپنے ارادے اور افعال میں مختار ہے جو کچھ کرتا ہے اپنے ارادے سے کرتا ہے خدا کا اس سے کوئی تعلق نہیں انہوں نے صریحاً" تقدیر خداوندی کی نفی کی اور کہا کہ حوادث کا علم خدا کو اس وقت ہوتا ہے جب وہ وقوع پذیر ہوتے ہیں۔ ان کو قدریۃ کہنے کی وجہ بعض کے نزدیک یہ ہے کہ انہوں نے تقدیر خداوندی کی نفی خدا سے کی اور اسے بندوں کے لئے ثابت کیا۔[۳]

قدریۃ کے زعماء عراق کے معبد الجہنی (م ۸۰ھ) اور شام کے عیلان دمشقی (م ۱۰۵ھ) ہیں جنہوں نے یہ عقیدہ ایک نصرانی سے اخذ کیا[۴] جس کا نام غالباً" ابو یونس سنسویہ تھا۔[۵]

۲۔ مرجیئۃ یا مرجۂۃ

یہ نام کتب تاریخ میں "مرجۂۃ" یا "مرجیۃ" تلفظات کے ساتھ آیا ہے۔ ان دونوں کے وجوہ تسمیہ علیحدہ علیحدہ بیان کئے گئے ہیں۔ مرجیۃ ہونے کی صورت میں یہ نام ارجا (مشتق ازرجا) سے مشتق ہے جس کے معنی امید رکھنے کے ہیں یعنی یہ مکتب فکر والے امید رکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اہل معاصی کو ثواب دے گا۔ ان کے نزدیک ایمان کے ہوتے ہوئے معصیت کوئی نقصان نہیں پہنچاتی جس طرح

---

(۱) امین اللہ وثیر (مقالہ علم الکلام) دائرہ معارف اسلامیہ دانش گاہ پنجاب طبع اول ۱۹۸۰ء ج ۱/۴ ص : ۸۳ - ۸۴

(۲) محمد احمد ابو زہرہ (المذاہب الاسلامیہ) ص : ۱۷۲

(۳) امین اللہ وثیر (مقالہ علم الکلام) دائرہ معارف اسلامیہ پنجاب جلد ۱/۴ ص : ۸۴

(۴) [illegible] (مقالہ علم الکلام) دائرہ [illegible] ، دانش گاہ پنجاب جلد ۱/۴ ص ۹۰

(۵) [illegible] ص ۵۵۱

کفر کے ہوتے ہوئے طاعت کوئی نفع نہیں پہنچاتی۔

یا یہ ارجأ بمعنی تاخیر سے مشتق ہے یعنی اس مکتب فکر والوں نے اصحاب کبائر کا معاملہ آخرت تک مؤخر کر رکھا ہے۔ پس اس دنیا میں صاحب کبائر پر کوئی حکم نہیں لگایا جاسکتا کہ وہ دوزخی ہے یا جنتی ہے۔ اس مفہوم کی صورت میں یہ نام "مرجئۃ" ہوگا۔(۱)

جب مسلمانوں میں مرتکب کبائر کے بارے میں اختلافات پیدا ہوئے۔ بعض اسے مومن ہی سمجھنے لگے اور بعض کافر تو مرجیۃ نے اس عقیدے کا اظہار کیا کہ مرتکب کبائر کا معاملہ اللہ کے سپرد کیا جانا چاہیے جو علیم و خبیر ہے، وہی ان کا حساب لے گا۔ بندوں کا یہ کام نہیں کہ وہ ایک دوسرے کے اعمال پر حکم لگاتے پھریں۔ مرجئۃ شیعہ و خوارج کی طرح یزید اور دوسرے امویوں کو فاسق و فاجر کہتے تھے، لیکن ان کے خلاف قتال اور بغاوت کے قائل نہیں تھے۔(۲)

استاد محمد ابو زہرہ کے نزدیک مرجئۃ دو قسم کے ہیں۔

۱۔ وہ لوگ جو صحابہؓ کے باہمی اختلافات اور بنوامیہ کے زمانے میں ظہور پذیر ہونے والے تنازعات میں غیر جانبدار تھے۔

۲۔ وہ لوگ جو یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کفر کے سوا سب گناہ معاف فرما دے گا، لہٰذا ایمان کے ہوتے ہوئے معصیت اور گناہ پر اندیشہ مناسب نہیں۔(۳)

مرجئۃ کی ایک دوسری تقسیم بھی کی گئی ہے۔

۱۔ مرجئۃ السنۃ:

ان کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ گناہوں کے مرتکب کو گناہوں کے برابر سزا دی جائے گی اور وہ دائمی

---

(۱) ایضاً ص: ۵۱۶ - ۵۱۷

(۲) امین اللہ دثیر مقالہ (علم الکلام) دائرہ معارف اسلامیہ ج ۱/۱۴ ص: ۸۴

(۳) محمد احمد ابوزہرہ (المذاہب الاسلامیہ) ص: ۲۰۴

جنہمی نہیں۔ ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے لطف و کرم سے انہیں معاف بھی فرمائے اور وہ سزا سے بچ جائیں۔

۲۔ مرجئۃ البدعۃ :

ان کا عقیدہ ہے کہ ایمان کے ہوتے ہوئے معصیت ضرر رسان نہیں جیسے کفر کے ہوتے ہوئے طاعت بے اثر ہے۔(۱)

۳۔ معتزلہ :

مکتب اعتزال کے آغاز اور وجہ تسمیہ کے بارے میں تین قسم کے اقوال پائے جاتے ہیں۔

۱۔ پہلا قول یہ ہے کہ یہ مکتب عہد اموی میں ظہور پذیر ہوا اور عہد عباسیہ میں عروج پایا۔ اس کے بانی امام حسن بصریؒ کے ایک شاگرد واصل بن عطا (م ۱۳۱ھ) ہیں۔ مرتکب کبائر کے بارے میں ان کی رائے اپنے استاد امام بصریؒ سے مختلف تھی۔ ایک دن حلقہ درس میں انہوں نے کہا کہ گناہ کبیرہ کا ارتکاب کرنے والا نہ مومن مطلق ہے نہ کافر مطلق بلکہ اس کا مقام ایمان اور کفر کے درمیان ہے۔ یہ کہہ کر وہ امام بصریؒ کی مجلس سے جو بصرے کی مسجد میں برپا ہوتی تھی اٹھ گئے اور اپنا علیٰحدہ حلقہ درس قائم کرلیا۔ اس پر استاد نے کہا "اعتزل عنا واصل" "واصل ہم سے علیٰحدہ ہوگیا"

پس یہیں سے ان کے متبعین کا نام معتزلہ پڑ گیا۔

۲۔ دوسرا قول یہ ہے کہ اس کی ابتدا حضرت حسن ابن علیؓ کے حضرت معاویہؓ کے حق میں خلافت سے دستبرداری کے وقت سے ہوئی۔ جبکہ شیعان علیؓ میں سے ایک گروہ نے سیاست سے کنارہ کش ہو کر صرف علم و عبادت سے سروکار رکھا اور عقائد میں غور و خوض کرنے لگا۔

---

(۱)۔ ایضاً ص : ۲۰۵ - ۲۰۶

۳۔ تیسرا قول یہ ہے کہ یہودیوں میں "فروشیم" کے نام سے ایک فرقہ تھا جس کے معنی معتزلہ کے ہیں ان کے عقائد اسلامی فرقہ معتزلہ سے ملتے جلتے تھے۔ ممکن ہے کہ یہود میں جو لوگ ایمان لائے انہیں عقائد میں مماثلت کی بنا پر یہ نام دیا ہو استاد محمد احمد ابوزہرہ کے نزدیک معتزلہ اور یہودیت میں خاص مماثلت پائی جاتی ہے یہود کے معتزلہ منطق اور فلسفہ کی روشنی میں تورات کی تفسیر و تشریح کرتے تھے مسلمانوں میں سے بھی معتزلہ نے قرآن مجید اور صفات باری تعالیٰ کی توضیح و تاویل فلسفہ کی روشنی میں کی۔(۱)

مکتب معتزلہ کے آغاز کے بارے میں پہلا قول درست معلوم ہوتا ہے کہ اس کا آغاز امام بصریؒ محفل سے اس کے شاگرد واصل بن عطاء کے علیحدہ ہونے سے ہوا۔ کیونکہ یہ واقعہ کتب تاریخ میں تواتر کے ساتھ ذکر ہوا ہے۔ نیز اسی واقعہ کے بعد ہی یہ مکتب ایک مخصوص نام اور عقائد سے معروف ہوا۔ اس سے قبل یہ نام کسی خاص مکتب فکر کے لئے مخصوص طور پر استعمال نہیں کیا گیا۔ معتزلہ ایک بااثر اور معروف مکتب رہا ہے اس لئے اس کے عقائد تفصیل کے ساتھ بیان کئے جاتے ہیں۔

معتزلہ کے اصول پنجگانہ

مکتب اعتزال کی بنیاد درج ذیل پانچ اصولوں پر رکھی گئی ہے۔

۱) توحید ۲) عدل ۳) وعد و عید ۴) منزلہ بین المنزلتین ۵) امر بالمعروف و نہی عن المنکر

پہلا اصول: توحید

توحید سے متعلق معتزلہ کے عقائد یہ ہیں "اللہ ایک ہے اس جیسی کوئی چیز نہیں نہ جسم ہے، نہ

---

(۱) ۔ محمد احمد ابوزہرہ (المذاھب الاسلامیہ) ص: ۲۰۷ - ۲۰۹

صورت، نہ خون، نہ گوشت، وہ نہ شخص ہے، نہ عرض، نہ جوہر، اسے چھوا نہیں جاسکتا۔ اس کا نہ طول ہے نہ عرض، نہ عمق، نہ اس کے اجزا ہیں نہ اعضا، نہ جوارح، اس کی کوئی جہتیں بھی نہیں۔ نہ دایاں نہ بایاں، نہ کوئی آگا، نہ پیچھا، نہ اوپر، نہ نیچا، نہ اس میں حرارت ہے نہ برودت، نہ رطوبت نہ یبوست، نہ اس میں اجتماع ہے نہ افتراق نہ متحرک ہے نہ ساکن وہ کسی ایسے وصف سے متصف نہیں کہا جاسکتا جو مخلوقات میں پائے جاتے ہوں اور حادث وفانی ہوں، وہ مخلوق سے کسی طرح بھی مماثلت نہیں رکھتا۔ نہ آنکھ اسے دیکھ سکتی ہے نہ بینائی اس کا ادراک کر سکتی ہے سماعت اسے سن نہیں سکتی وہ عالم قادر اور زندہ ہے۔(۱)

معتزلہ نے عقیدہ توحید کی مخصوص توجیہہ کی انہوں نے قرآن کے صفات باری تعالیٰ سے متعلق تنزیہہ والی آیات کی تشریح و تحلیل کی جس کی وجہ سے کئی کلامی مباحث وجود میں آئے۔ جیسے مسئلہ رؤیت باری تعالیٰ، مسئلہ صفات باری تعالیٰ، جس کی ایک فرع خلق قرآن بھی ہے۔ جو معتزلہ کا مابہ الامتیاز عقیدہ رہا ہے وہ صفات الہیہ بشمول کلام کے منکر تھے۔ اس لئے انہوں نے قرآن کو مخلوق اور حادث قرار دیا اس عقیدہ کی وجہ سے مسلمانوں میں بڑے معرکے رہے۔(۲)

دوسرا اصول: عدل

معتزلہ کے عقیدہ عدل سے مراد یہ ہے کہ خدا فساد کو نہیں چاہتا اس لئے اس نے ہر نیکی کا حکم دیا ہے اور ہر برائی سے منع کیا ہے وہ بندوں کو ان کی طاقت سے بڑھ کر تکلیف نہیں دیتا نہ ان سے وہ کام لینا چاہتا ہے جس کی وہ طاقت نہیں رکھتے۔(۳) اللہ پر مطیع کو ثواب دینا اور عاصی کو ثواب پہنچانا واجب ہے۔(۴) اللہ کے افعال مخلوق کی مصلحتوں کے ساتھ معلل ہیں کوئی کام اللہ کا ایسا نہیں ہے جو غرض سے

---

(۱) الاشعری (مقالات الاسلامیین) مکتبۃ النہضۃ المصریۃ قاہرہ طبع اولی ۱۳۶۹ھ، ص: ۲۱۶

(۲) - امین اللہ وثیر (مقالہ العلم الکلام) دائرہ معارف اسلامیہ دانش گاہ پنجاب جلد ۱/۱۵ ص: ۸۸

(۳) محمد احمد ابو زہرہ [illegible] المذاہب الاسلامیہ) ص: ۳۱۲

(۴) محمد نجم الدین عثمان (المذاہب اسلام) ص: ۱۰۲

خالی ہو اور غرض اس میں مخلوق کی بہتری ہے۔[1]

معتزلہ کے اس تصور عدل سے دو کلامی مباحث وجود میں آئے

۱۔ اعمال میں حسن و قبح ذاتی ہیں۔

۲۔ انسان اپنے اعمال کا خود خالق ہے۔

مذکورہ بالا اصولوں کی وجہ سے معتزلہ اصحاب التوحید والعدل کے نام سے بھی مشہور ہیں۔

تیسرا اصول: وعد و وعید

معتزلہ کا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نیک کاموں پر ثواب دینے اور برے کاموں پر عذاب دینے کا جو وعدہ کیا ہے وہ لازماً بروئے کار آکر رہے گا۔ اس نے مخلصانہ توبہ کی قبولیت کا جو وعدہ کیا ہے وہ بھی پورا ہوگا۔ جو نیک کام کرے گا وہ جزا پائے گا۔ اس طرح بدکار کو سزا دی جائے گی کبائر بلا توبہ معاف نہیں ہوتے۔[2]

چوتھا اصول: منزلہ بین المنزلتین

معتزلہ کے نزدیک ایمان خصال خیر سے عبارت ہے اور فاسق میں خصال خیر جمع نہیں ہوتے۔ اس لئے وہ نہ تو صحیح مومن ہے نہ حقیقی کافر کیونکہ اس نے زبان سے اقرار کو عملی جامہ پہنچانے کی کوشش نہیں کی لیکن اللہ تعالیٰ پر ایمان اس کو امت سے خارج ہونے نہیں دیتا اور اس پر کافر اور ذمیوں سے امتیاز کے طور پر لفظ "مسلم" کا اطلاق ہوگا۔[3] ان کے نزدیک ایمان کی حقیقت میں تصدیق کے ساتھ اعمال بھی داخل ہیں۔ اس لئے مرتکب کبیرہ مومن نہیں مگر ایسے شخص کو کافر اس لئے نہیں سمجھتے کہ صحابہؓ مرتکب کبیرہ پر (زنا اور شرب خمر وغیرہ پر) حد جاری کرتے تھے مگر ملک بدر

---

(۱) محمد احمد ابو زہرہ، المذاھب الاسلامیہ) ص: ۲۱۲
(۲) محمد احمد ابو زہرہ (المذاھب الاسلامیۃ) ص: ۲۱۳
(۳) ایضاً ص ۲۱۳

نہیں کرتے تھے اور ان کی لاشوں کو مسلمانوں کے قبرستان میں دفن ہونے دیتے تھے جو کفار کے ساتھ لامحالہ جائز نہیں۔[1]

پانچواں اصول: "امربالمعروف و نہی عن المنکر"

امربالمعروف و نہی عن المنکر کے متعلق معتزلہ مخصوص نقطہ نظر رکھتے ہیں۔ نیکی کو پھیلانے اور بدی کو روکنے کے لئے براہ راست مداخلت اور تلوار کے استعمال تک کو جائز سمجھتے ہیں۔ اپنے اس اصول کو انہوں نے مامون، معتصم اور واثق کے عہد خلافت میں عملی جامہ بھی پہنایا۔

معتزلہ کے نزدیک امربالمعروف و نہی عن المنکر سب مومنوں پر واجب ہے تاکہ اسلام کی تبلیغ و اشاعت فریضہ انجام دیا جائے اور ان لوگوں کے حملوں کی روک تھام کی جائے جو حق اور باطل کے ملانے اور مسلمانوں میں فساد بپا کرتے ہیں۔ معتزلہ کے بعض دوسرے اہم عقائد و نظریات یہ ہیں:-

۱۔ خدا کی تمام باتیں مصلحت پر مبنی ہیں۔ ایک ذرہ بھی حکمت سے خالی نہیں۔

۲۔ اس نے نظام عالم کا ایسا باقاعدہ اور مضبوط سلسلہ قائم کر رہا ہے جو کبھی نہیں ٹوٹتا۔

۳۔ اس نے اشیاء میں خواص و تاثیر رکھی ہے جو اس سے منفک نہیں ہوتی۔

۴۔ اس نے انسان کو اپنے افعال کا مختار اور ذمہ دار بنایا ہے۔

۵۔ عدل و انصاف اس کی صفت ہے اور کبھی اس سے ناانصافی کا ظہور نہیں ہو سکتا۔[2]

معتزلہ کے دو مکاتب فکر

عباسی خلافت کے تحت اپنے عروج کے بعد معتزلہ کے دو مکاتب فکر وجود میں آئے۔ پہلا مکتب

---

(۱) محمد نجم الغنی خان (مذاھب اسلام) ص: ۱۰۹

(۲) شبلی نعمانی (علم الکلام اور الکلام) ص: ۲۲

بصرہ سے منسوب تھا۔ اس مکتب فکر کے سرخیل واصل بن عطاء، ابو ہذیل غلاف، ابو علی الجبائی اور ابوہاشم تھے۔ یہ زیادہ تر صفات الٰہی پر توجہ کرتے تھے ان کا خیال تھا کہ خدا کی صفات معروضی اور صرف نام ہی نام ہیں وہ نہ اوصاف ہیں نہ حالتیں یہ ذات کے ساتھ اس طرح متحد ہیں کہ علیحدہ نہیں ہو سکتیں۔

دوسرا مکتب بغداد سے منسوب تھا۔ اس مکتب کے اہل قلم بشر بن معتمر، جعفر بن حرب، ابو موسی المردار اور ابو القاسم بلخی تھے۔

بصرہ اور بغداد کے مکتب فکر میں فرق یہ ہے کہ بصرہ میں اعتزال ایک نظری مذہب کی حیثیت سے رہا، جب کہ بغداد میں اس کی صورت عملی رہی، بغداد کا مکتب فلسفہ یونان سے متاثر تھا، اور اس کے عقائد و نظریات میں تنوّع نسبتاً زیادہ تھا۔[1]

۴۔ اشاعرہ یا اشعریہ

یہ مکتبِ فکر علی ابن اسمٰعیل الاشعری (۲۶۰-۳۲۰) کی طرف منسوب ہے۔ آپ مشہور معتزلی عالم عبدالوہاب ابو علی الجبائی کے شاگرد تھے۔ انہیں سے مذہب اعتزال کی تعلیم حاصل کی پھر ۲۹۵ھ میں اچانک بصرے کی جامع مسجد میں بر سر منبر مذہب اعتزال سے علیحدگی کا اعلان کر کے اپنے سابقہ اقوال سے تائب ہوئے اور معتزلہ کے خلاف زبردست مہم کا آغاز کر دیا اور انہی کے دلائل سے ان کے اقوال و نظریات کا رد کیا۔

امام اشعری کے مکتب اعتزال سے علیحدگی کے مختلف اسباب بیان کئے جاتے ہیں۔ بعض کے نزدیک خواب میں ان کو اس کی ہدایت ہوئی۔[2] ایک خیال یہ ظاہر کیا جاتا ہے کہ اگرچہ امام اشعری

---

(۱) محمد امین (ضحی الاسلام) ج ۳ ص: ۱۵۹-۱۶۰

(۲) احمد امین ظہر الاسلام، الطبعۃ الثانیۃ قاہرہ ۱۹۶۱ء ج ۴ ص: ۲-۴

معتزلہ کے دستر خوان علم سے فیض یافتہ تھے ان کا رجحان و میلان محدثین کی طرف بڑھتا گیا اور وہ تدریجی طور پر افکار معتزلہ سے دور ہوتے چلے گئے حالانکہ نہ وہ کبھی حلقہ حدیث میں شامل ہوئے اور نہ محدثین کے طرز پر عقائد کا مطالعہ کیا۔ بلکہ وہ ایک عرصہ کنج خلوت میں بیٹھے رہے معتزلہ کے دلائل کا موازنہ و تجزیہ کرتے رہے اور بالآخر اس نتیجے پر پہنچ گئے۔[1] اور یہی رائے زیادہ قرین قیاس معلوم ہوتی ہے۔

امام اشعری کا طرۂ امتیاز مختلف مکاتب فکر کے اختلافی مسائل میں اعتدال قائم کرنا ہے۔ صفات الٰہی میں آپ کا مسلک معتزلہ جو صفات الٰہی کے منکر تھے اور حشویہ، مجسّمہ اور مشبّہ جو صفات باری کو صفات مخلوق کے مماثل قرار دیتے تھے، کے بین بین ہے۔ انہوں نے قرآن میں وارد شدہ صفات کو اللہ کے لئے ثابت کیا اور کہا یہ صفات شان ایزدی کے لائق ہیں اور یہ صفات حوادث کے مماثل نہیں۔ قدرت خداوندی اور افعال العباد کے مسئلے میں آپ کا نقطہ نظر معتزلہ اور جبریہ کے بین بین ہے۔ معتزلہ کے نزدیک بندہ خدا کی ودیعت کردہ قوت کے بل بوتے پر افعال کو جنم دیتا ہے جبکہ جبریہ کے نزدیک بندہ میں کسی فعل کے احداث و کسب کی کوئی طاقت نہیں۔ اشعری کے نزدیک بندہ احداث پر قادر نہیں البتہ کسب کی استطاعت رکھتا ہے۔ مرتکب کبائر کے مسئلے میں آپ کا نقطہ نظر معتزلہ و مرجئۃ کے بین بین ہے۔ آپ نے محدثین، فقہا اور معتزلہ کے اختلافی مسائل میں اول الذکر کا ساتھ دیا۔[2] آپ نے عقائد میں عقل و نقل دونوں سے کام لیا۔ تاہم عقل کو افکار کی دنیا میں منصف اور حاکم قرار نہیں دیا۔ جبکہ آپ سے پہلے دو فریق تھے۔ ارباب عقل و اصحاب نقل آپ نے دونوں کے درمیان کا راستہ اختیار کیا جو ان کی دانست میں عقل اور نقل دونوں سے ہم آہنگ تھا۔[3]

---

(۱) ایضاً ص : ۶۵
(۲) محمد احمد ابوزہرۃ (المذاہب الاسلامیہ) ۲۷۶
(۳) شبلی نعمانی (علم الکلام) ص ۵۷

آپ عقل انسانی کو ظواہر نصوص کا ایک ایسا خادم ٹھہراتے ہیں جو ہر جگہ ان کی تائید و توثیق کرتی ہے۔[1]

امام اشعری نے اگرچہ خود کو امام احمد بن حنبل کی راہ پر گامزن بتایا ہے[2] مگر ان کا مکتب فکر حنابلہ میں زیادہ شہرت حاصل نہیں کر سکا۔ بلکہ اس میں ان کے مخالفین پیدا ہوئے۔ البتہ شوافع میں بھی ان کے متبعین پائے جاتے ہیں۔

اشاعرہ کے بعض عقائد و افکار

اللہ تعالیٰ عالم بعلم، حیی بحیات، مرید بارادہ، متکلم بکلام، سمیع بسمع، بصیر ببصر اس کی صفات ازلی قائم بذاتہ، وہ اس کی عین نہ غیر رؤیت باری تعالیٰ ممکن ہے۔ ایمان تصدیق بقلب کا نام البتہ قول باللسان اور عمل بالارکان ایمان کی فرع ہیں۔ مرتکب کبائر ہمیشہ جہنم میں نہیں رہے گا۔ اللہ کا تمام بندوں کو جنت یا دوزخ میں داخل کرنا ظلم نہیں۔ قرآن غیر مخلوق ہے۔ مرتکب کبیرہ کافر نہیں۔[3]

خدا جوہر نہیں، جسم نہیں، عرض نہیں، حوادث کا محل نہیں، افعال عباد کا خالق ہے تکلیف مالا یطاق دے سکتا ہے، مصلحت کی پابندی اس پر واجب نہیں۔[4]

وقت گذرنے کے ساتھ ساتھ اشعری مکتب فکر میں نئے افکار کا اضافہ ہونے لگا۔ علامہ باقلانی نے چند مسائل کا اضافہ کیا مثلاً" جوہر فرد ثابت ہے۔ خلا ممکن ہے۔ عرض عرض کے ساتھ قائم نہیں رہ سکتا۔[5]

امام غزالی نے اس میں فلسفے کو شامل کر دیا۔ امام رازی نے علم کلام کو فلسفہ کے انداز میں لکھا اور فلسفہ کے سینکڑوں مسائل علم کلام میں مخلوط کر دیئے۔[6] جو لوگ اسرار شریعت سے بحث کرتے تھے، معقول اور منقول میں تطبیق دیتے تھے۔ امام رازی نے ان کا نام حکمائے اسلام رکھا اور ان کے اقوال کی تحسین

---

(۱) محمد ابو زہرہ (المذاہب الاسلامیہ) ص: ۲۷۷
(۲) الاشعری، الابانہ عن اصول الدیانہ، حیدرآباد دکن ۱۳۲۱ مقدمہ
(۳) الشہرستانی (الملل والنحل، الطبعۃ الاولی مطبعۃ الازہر ص): ۱۵۲
(۴) شبلی نعمانی (علم الکلام) ص: ۵۰ (۵) ایضاً ص: ۵۳ (۶) ایضاً ص: ۶۲

کی۔ امام رازی نے عقلی انداز پر قرآن کی تفسیر بھی لکھی۔ اس تفسیر میں آزادی اور بے تعصّبی کا
مظاہرہ کیا۔ اور معتزلہ تک کے اقوال تعریفی انداز میں لکھ دیئے۔(۱)

۵۔ ماتریدیہ

اس مکتب فکر کے بانی ابو منصور محمد بن احمد ماتریدی (م ۳۳۳) ہیں جو ابونصر احمد بن عباس
العیاض، ابوبکر احمد بن اسحاق الجوزجانی، محمد بن مقاتل الرازی اور نصر بن یحی البلخی کے شاگرد تھے۔ آپ
تین واسطوں سے امام ابوحنیفہ کے شاگرد تھے۔(۲) امام ماتریدی ایک حنفی فقیہ اور اہل سنت و الجماعت کے
بہت بڑے متکلم تھے۔ عقائد سے متعلق امام ماتریدی کے نظریات و فروعات عمومی طور پر امام ابوحنیفہ
کے اقوال سے متاثر ہیں۔ انہوں نے افکار ابوحنیفہ کو عقلی و منطقی دلائل کی روشنی میں ثابت کیا۔(۳) ان
کے متبعین میں اکثریت احناف کی ہے۔ جبکہ امام اشعری کے پیرو کاروں کی اکثریت شوافع کی ہے۔
اس لئے امام اشعری اور امام ماتریدی کے درمیان اختلافات دراصل بڑی حد تک اصولاً شوافع و احناف
کے مابین اختلاف کا نتیجہ ہے ماتریدی مسلک میں علم کلام میں تصانیف کم ہونے کی وجہ سے اسے
نسبتاً کم شہرت ملی۔ یہی وجہ ہے کہ آج کل بہت سے احناف بھی اشاعرہ کے ہم عقیدہ ہیں،
ماتریدی مسلک ماوراء النہر کے علاقوں، بلاد ہندو پاکستان، افغانستان اور ترکستان کے علاقوں میں پھیلا۔
اس مسلک کے زعماء میں تفتازانی، نسفی اور ابن الھمام (علمائے حنفیہ) قابل ذکر ہیں۔
امام اشعری اور ماتریدی دونوں اہل سنت سے لق رکھتے تھے وہ بنیادی مسائل میں ہم خیال
تھے۔ امام اشعری اور ماتریدی کے نظریات اگرچہ متحد ں تھے۔ مگر متقارب ضرور تھے۔(۴)
ان کے اختلافی مسائل کی تعداد چالیس تک بتائی اتی ہے۔ دونوں حضرات عقائد قرآن کو عقل و

---

(۱) ایضاً ص: ۶۳
(۲) محمد نجم الغنی خان (مذاہب الاسلام) ص: ۳۱۴
(۳) محمد ابو زہرہ (المذاہب الاسلامیہ) ص: ۲۸۹ — ۲۹۰
(۴) ایضاً صفحہ ۲۹۴

برہان کی روشنی میں ثابت کرنا چاہتے تھے۔ ماتریدی پر عقلیت کا رنگ نسبتاً غالب تھا مگر اشعری نقل کی چار دیواریوں میں محصور تھے۔[1]

امام ماتریدی اور اشعری کے اختلافی مسائل

ماتریدی کے وہ مخصوص عقائد جن میں وہ اشعری کے خلاف ہیں یہ ہیں ۔

۱۔ اشیاء کا حسن و قبح عقلی ہے مگر انسان اس وقت تک مکلّف نہیں ہوتا جب تک شارع حکم نہ دے۔ عقل بالاستقلال شرعی حکم صادر نہیں کر سکتی۔

۲۔ خدا کسی کو تکلیف مالا یطاق نہیں دیتا۔

۳۔ خدا ظلم نہیں کرتا۔ خدا کا ظالم ہونا عقلاً محال ہے۔

۴۔ ایمان کم یا زیادہ نہیں ہوتا۔

۵۔ خدا کے تمام افعال مبنی بر مصالح ہیں۔ تاہم یہ اس پر واجب نہیں وہ صرف حکمت کا قصد کرنے والا ہے۔

۶۔ انسان کو اپنے افعال پر قدرت حاصل ہے، یہ قدرت ان افعال کے وجود میں اثر رکھتی ہے۔

۷۔ زندگی سے ناامیدی کی حالت میں بھی توبہ مقبول ہے۔

۸۔ حواس خمسہ سے کسی چیز کو محسوس کرنا علم نہیں، ذریعہ علم ہے۔

۹۔ اعراض کا اعادہ نہیں ہو سکتا۔

۱۰۔ عقل معرفت خداوندی کے وجوب کا ادراک کر سکتی ہے۔

۱۱۔ قرآن حادث ہے مگر مخلوق نہیں۔
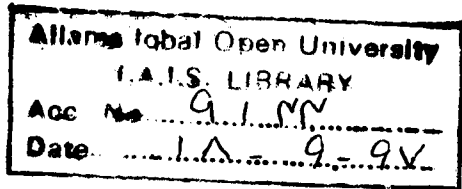
---

(۱) محمد احمد ابوزہرہ (المذاهب الاسلامیہ) ص: ۲۹۳

۱۲۔ ماتریدی اللہ تعالیٰ کے بیان کردہ صفات و احوال کو تسلیم کرنے کے باوجود اللہ تعالیٰ کو تجسیم اور زمان و مکان سے منزہ قرار دیتے ہیں۔[1]

مذکورہ بالا اختلافات سے ظاہر ہوتا ہے کہ ماتریدیہ کا کلامی نقطہ نظر اشاعرہ اور معتزلہ کے بین بین ہے۔

(۱) محمد احمد ابوزہرہ (المذاھب الاسلامیہ) ص: ۲۹۸ - ۳۰۰، شبلی نعمانی، (علم الکلام) ص: ۷۶

فصل چہارم

برصغیر میں علم کلام[1]

برصغیر میں اسلام کے ابتدائی دور میں تقریباً" دسویں صدی ہجری تک علم کلام کو فروغ وارتقا حاصل کرنے کے وہ محرکات اور عوامل میسر نہیں تھے جو عباسی دور میں اس کے آغاز کے وقت اسے میسر آئے تھے اس عرصے میں اسلام برصغیر میں کسی مذہب یا مسلک سے فکری محاذ پر برسرپیکار نہیں تھا برصغیر میں اسلام کی اشاعت ایک تو صوفیا کے ذریعے ہوئی جن کے نقطہ نظر میں بڑی لچک تھی۔ انہوں نے مقامی تہذیب وروایات کو حذف واضافہ کے ساتھ قبول کیا[2] دوسرے مسلمانوں حکمرانوں کے ذریعے جو اسلامی علوم سے عموماً" ناواقف تھے یہی وجہ ہے کہ اس عرصے میں یہاں تعلیمات اسلام کے احیا کے لئے نہ تو کوئی مؤثر اور منظم تحریک اٹھی اور نہ اسلام کے مختلف مکاتب فکر کا آپس میں کوئی فکری محاذ قائم ہوا نتیجتاً علم کلام پر جمود کی سی کیفیت طاری رہی یہ برائے نام اور روایتی شکل میں برقرار رہا اور تحشیہ نگاری سے آگے نہیں بڑھا۔

مذہب کے حوالے سے اس عہد کی قابل ذکر بات البتہ یہ ہے کہ اس دوران اسلامی تصوف پر ہندومت کا رنگ چڑھا حلول، اعمال ہندوانہ ومشرکانہ اور دوسری غیر اسلامی رسومات اس کے مظاہر تھے جس کا ایک نتیجہ بعد میں ہندومت اور اسلام کو ترکیب دینے کی بھگتی تحریک اور گورونانک کے نظریات کی شکل میں ظاہر ہوا۔

دسویں صدی ہجری میں اسمٰعیل صفویؒ (۹۰۵ - ۹۳۰) نے ایران میں صفوی حکومت قائم کی اور

---

(۱) یہ تجزیہ و مطالعہ شاہ صاحبؒ کے عہد یا اس کے متصل کچھ عرصہ بعد سے متعلق ہے۔

(۲) قاضی جاوید (افکار شاہ ولی اللہ) نگارشات لاہور ۱۹۸۶ء، ص: ۱۱

پہلی مرتبہ شیعیت کو ملکی مذہب بنایا چونکہ شیعیت کو اعتزال، عقلیت اور فلسفہ سے زیادہ مناسبت رہی ہے اس لئے ایران پر فلسفہ و حکمت کا رجحان غالب آیا جس کے گہرے اثرات ہندوستان پر بھی مرتب ہوئے۔[1] ایران سے ممتاز علما ہندوستان آئے۔ ان میں ایک اشراقی حکیم اور فلسفی میر غیاث الدین منصور (م ۹۴۸ھ) کے شاگرد امیر فتح اللہ خان شیرازی (م ۹۹۷ھ) قابل ذکر ہیں جو دسویں صدی کے آخر میں ہندوستان آئے۔ انہوں نے ہندوستان کے نصاب درس اور طریق تعلیم پر عقلیت کی ایسی گہری چھاپ لگا دی جو تیرھویں صدی تک باقی رہی گیارہویں صدی کے وسط میں میر باقر (م ۱۰۴۱ھ) نے ایران سے لے کر ہندوستان کے علمی و تعلیمی حلقہ تک اپنی ذہانت عقلیت اور ادبیت کا سکہ قائم کر دیا۔ ان کی کتاب "الافق المبین" اعلیٰ علمی حلقوں میں پڑھی جانے لگی۔ ایک اور اشراقی حکیم اور فلسفی علامہ صدرالدین شیرازی (م ۱۰۵۰ھ) کی دو کتابوں "الاسفار الاربعة" اور "شرح ہدایة الحکمہ" کا ایران و ہندوستان کی عقلیت پر گہرا اثر پڑا[2]

برصغیر میں شیعیت اور عقلیت کو فروغ دینے میں خود اس کے سیاسی حالات نے بھی اہم کردار ادا کیا ہمایوں نے ۱۵۴۰ء میں شیر شاہ سے شکست کھائی تو اپنے بھائیوں سے مایوس ہو کر ایران کا رخ کیا ایران کا بادشاہ طہماسپ صفوی اس سے حسن سلوک سے پیش آیا۔ ایک عرصہ وہاں قیام کرکے واپس لوٹے تو اسے فوج بھی دی۔ ہمایوں کے بارے میں یہ خیال ظاہر کیا جاتا ہے کہ واپسی پر اس پر شیعیت کا رجحان غالب تھا نیز اس کے ساتھ شیعہ علما امرا اور سپاہی آئے جو ہندوستان کی اسلامی حکومت کے مسند اقتدار تک رسائی حاصل کرکے شیعیت کی ترویج کا باعث بن گئے۔

ایرانی علوم و حکمت کے زیر اثر ہندوستان میں علم کلام کو نئی جہت ملی اسے شیعہ سنی فرقہ

---

(۱)۔ ندوی، ابوالحسن علی، سید، تاریخ دعوت و عزیمت، مجلس نشریات اسلام کراچی ۱۹۸۴ء، حصہ پنجم ص: ۳۶

(۲)۔ ایضاً

واریت اور عقلیت کے میدان میں زور آزمائی کا موقع میسر آیا۔ ان حالات میں مجموعی طور پر برصغیر کے متکلمین میں دو بڑے رجحانات غالب رہے ایک یہ کہ اصولی کتب لکھنے کی نسبت شروح وحواشی لکھنے پر زیادہ زور دیا گیا ایک ایک کتاب کی کئی شرحیں اور حواشی لکھے گئے علم کلام کے عام اور بنیادی مسائل کی توضیح وتشریح میں کتب لکھنے کا تناسب کم رہا۔

دوسرا رجحان یہ رہا کہ فرقہ وارانہ مسائل کو زیادہ زیر بحث لایا گیا شیعہ سنی مکاتب فکر ایک دوسرے کے جواب درجواب میں حجت بازی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اختلافی مسائل اچھالتے رہے ان دو بڑے اور نمایاں رجحانات کے علاوہ علم کلام کے متداول بنیادی مباحث کو بھی موضوع بحث بنایا گیا۔

ڈاکٹر زبید احمد نے برصغیر میں علم کلام پر لکھی ہوئی تصانیف کو مباحث ونوعیت کے اعتبار سے چھ درجوں میں تقسیم کیا ہے۔

۱۔ اسلامی عقائد کی نصابی کتب

۲۔ اسلامی عقائد کی مستند کتب کی شرحیں

۳۔ علم کلام کی مستند کتب کی شرحیں

۴۔ علم کلام کی نصابی کتب

۵۔ فرقہ وارانہ مباحث پر لکھی ہوئی کتابیں

۶۔ اوامرونواہی کی متکلمانہ توضیحات[1]

اسلامی عقائد کی مستند کتب کی شرح کے طرز پر لکھی ہوئی تصانیف میں عمر بن محمد النسفی (م ۵۳۴ھ) کی کتاب "العقائد السنیۃ" پر سعدالدین محمد تفتازانی (م ۷۹۱ ھ) کی شرح اور قاضی

1- ZUBAID AHMAD THE CONTRIBUTION OF INDIA TO ARABIC LITERATURE.

عضد الدین عبدالرحمن بن احمد الایجی (م ۷۵۶ھ) کی کتاب "العقائد العضدیۃ" پر محمد بن سعداللہ الدوانی (م ۹۰۷ھ) کی شرح قابل ذکر ہیں پھر عبدالحکیم سیالکوٹی نے ان دونوں شروح پر مزید حواشی لکھے۔

عقائد اور علم کلام کے بنیادی مباحث پر لکھی ہوئی کتب میں شیخ صفی الدین کی "الزبدۃ فی الکلام" شاہ ولی اللہ کی "العقائد الحسنۃ" ملاعبدالحکیم سیالکوٹی کی "الرسالۃ الخاقانیۃ" اور شیخ عبدالوہاب قناوی (یا قنوجی) کی "بحرالمذاہب" قابل ذکر ہیں

فرقہ وارانہ مباحث پر شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانی کی کتاب "المقدمۃ السنیۃ فی انتصار فرقۃ السنیۃ" ملاحسن کی "ردالشیعہ" قاضی ثناءاللہ پانی پتی کی "السیف المسلول" اور قاضی نور اللہ شوستری کی "احقاق الحق وابطال الباطل" زیادہ معروف ہیں۔

اوامرونواہی کی متکلمانہ توضیحات میں شاہ صاحب کی "حجۃ اللہ البالغۃ" واحد قابل ذکر کتاب ہے۔

برصغیر کے متکلمین میں شیخ صفی الدین (م ۷۱۵ ھ) قاضی شہاب الدین دولت آبادی (م ۸۴۹ ھ) محمد حیات سندھی (م ۱۱۶۳ھ) محب اللہ بہاری (م ۱۱۱۹ھ) قاضی نور اللہ شوستری (م ۱۰۱۹ ھ) ملا عبدالحکیم سیالکوٹی (م ۱۰۶۸ ھ) مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی (م ۱۰۲۴ ھ) عبدالوہاب قنوجی (یا قناوی) (م ۱۱۲۶ ھ) شاہ ولی اللہ (م ۱۱۷۶ ھ) شاہ عبدالعزیز (م ۱۲۳۹ھ) قاضی ثناء اللہ پانی پتی (م ۱۲۲۵ھ) اور سید دلدار علی (م ۱۲۲۶ ھ) زیادہ مشہور ہیں۔

باب دوم

شاہ صاحبؒ کے کلامی مباحث

فصل اول

شاہ صاحب کے کلامی مباحث کا ایک جائزہ

شاہ صاحب کی متکلمانہ حیثیت

علم کلام کے نام سے شاہ صاحب کی اگرچہ کوئی مخصوص کتاب نہیں ہے تاہم آپ کی بعض تصانیف اہم کلامی مباحث پر مشتمل ہیں ان تصانیف میں حجۃ اللہ البالغۃ" البدور البازغۃ" تفہیمات الھیہ" ازالۃ الخفاعن خلافۃ الخلفاء" "الخیر الکثیر اور الفوز الکبیر فی اصول التفسیر" زیادہ قابل ذکر ہیں آپ نے ان میں تقریباً" تمام متداول اور معروف کلامی مباحث توحید' صفات باری تعالیٰ معاد' خواص انبیاء' مسائل تصوف اور اسرار دین کی جامع اور مربوط توضیح کی۔ان میں مفید اضافہ کیا اور اپنے عقائد و نظریات کے اثبات میں عقلی اور نقلی استدلال کا اہتمام کیا۔

شاہ صاحب نے کلام کو روایتی اعتقادی لفظی اور فرقہ وارانہ کشمکش سے نکال کر اسے مثبت اور ارفع مقاصد کی حامل جہت عطا کی ۔ آپ کسی مسلک میں محصور اور مقید ہو کر اس کی تقلید یا متعصبانہ دفاع کرنے والے نہیں تھے۔ آپ کے پیش نظر کسی مخصوص مسلک کے مستنبط اصول و قواعد نہیں تھے بلکہ قرآن وسنت اور آثار صحابہؓ سے ماخوذ اسلامی تعلیمات تھیں جن پر انہوں نے اپنی باطنی صداقت ریاضت اور تبحر علمی کی مدد سے غوروخوض کیا اور فرقہ واریت سے پاک سچے اور مخلص مسلمان کی حیثیت سے اسلام کی عمومی آفاقی تعلیمات کی اس طرح توضیح کی کہ انہیں جسمانی و روحانی

نشو نما وارتقا اور اس کی ابدی فلاح کے لئے ناگزیر ثابت کیا۔

شاہ صاحب کے کلامی مباحث کو مجموعی طور پر مندرجہ ذیل تین بڑے شعبوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

۱۔ توضیحی شعبہ : آپ کے کلامی مباحث کا وہ حصہ جس میں متداول اور معروف کلامی مسائل کی توضیح کی گئی ہے جن میں عقائد اسلام توحید صفات باری تعالیٰ ضرورت وخواص انبیاءؑ معاد وغیرہ شامل ہیں ان میں آپ نے "عالم مثال" اور سرّ التکلیف' کے تصورات کی شکل میں مفید اضافے بھی کئے۔

۲۔ توجیہی شعبہ : یہ حصہ احکام شریعت کی عقلی توجیہ پر مشتمل ہے اور آپ کے کلامی مباحث کا مرکزی اور اہم حصہ ہے جو آپ کی خصوصی توجہ کا مرکز رہا۔

۳۔ ترکیبی یا تطبیقی شعبہ : اس حصے میں آپ نے اسلام کے مختلف مسالک وتصورات کے درمیان تطبیق کی صورت پیدا کرنے کی کوشش کی ہے جن میں طریقت وشریعت اور ان کے متعلقات (مسالک صوفیاء فقہ وغیرہ) شامل ہیں[1] آپ کے کلامی مباحث کی اہمیت کے پیش نظر مشاہیر علما اور مؤرخین نے آپ کے اعلی متکلمانہ مقام کا اعتراف کرتے ہوئے آپ کو خراج تحسین پیش کیا ہے اور بحیثیت متکلم آپ کی ممتاز ومنفرد خصوصیات کی نشاندہی کی ہے ان کے آرا واقوال سے آپ کے کلامی منہج پر روشنی پڑتی ہے اس لئے ان کے بعض اقوال کو یہاں نقل کیا جاتا ہے۔

شیخ محمد اکرام لکھتے ہیں :۔

" ایک لحاظ سے آپ اسلامی ہندوستان کے پہلے متکلم ہیں عباسیہ دور میں علم کلام اس لئے وجود میں

---

(۱) ان کی تفصیل آگے آ رہی ہے

آیا کہ اسلامی خیالات کو یونانی فلسفہ کے مطابق ثابت کرے اور دور جدید میں سرسید اور ان کے رفقا کی یہ کوشش تھی کہ وہ اسلامی مذہب اور فلسفہ کو جدید سائنس اور نیچر سے ہم آہنگ قرار دیں شاہ صاحبؒ اس قسم کے متکلمین میں سے نہیں لیکن اسلامی تعلیمات کو انسانی دنیا کے بنیادی واقعات اور اصولوں سے ہم آہنگ کرنے کی کوشش ضرور ان کی تصانیف میں ہے ان کی مشہور تصنیف "حجۃ اللہ البالغۃ" میں یہ کوشش خاص طور پر نمایاں ہے اس میں انہوں نے اسلامی احکام کی مصلحتیں بیان کرکے یہ ثابت کیا ہے کہ یہ احکام فلاح انسانی کے لئے بے حد مفید ہیں اور ان کی غرض وغایت ہی انسانی فلاح وتہذیب ہے۔"(۱)

شاہ صاحب کے کلامی مباحث کی ایک خوبی ان کی جامعیت اور مقصدیت ہے آپ نے کلام کو محض طبع ازمائی کا ذریعہ نہیں بنایا بلکہ اسے دینی ضرورت کے تحت اسلامی تعلیمات کی سربلندی کے لئے استعمال کیا آپ کے تصیفی کام میں کلام بذات خود کوئی مقصد نہیں تھا بلکہ تعلیمات اسلامی کی ترجمانی کا ذریعہ تھا اس لئے آپ نے اسلام کی فکری ونظریاتی تعلیمات کی نسبت عملی تعلیمات (احکام شریعت) کی عقلی توجیہہ وتوضیح پر زیادہ زور دیا آپ کے اس منہج کے متعلق مشہور محقق ومؤرخ شبلی نعمانی لکھتے ہیں:۔

"علم کلام درحقیقت اس کا نام ہے کہ مذہب اسلام کی نسبت یہ ثابت کیا جائے کہ وہ منزّل من اللہ ہے مذہب دو چیزوں سے مرکّب ہے عقائد واحکام، شاہ صاحب کے زمانے تک جتنی تصانیف لکھی جاچکی تھیں صرف پہلے حصہ کے متعلق تھیں دوسرے حصہ کو کسی نے مس نہیں کیا تھا شاہ صاحب پہلے شخص ہیں جنھوں نے اس پر کتاب لکھی۔"(۲)

---

(۱) محمد اکرام، شیخ (رود کوثر) ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور ۱۹۸۶ء ص: ۵۸۳

(۲) شبلی نعمانی (علم الکلام اور الکلام) ص: ۸۸

شاہ صاحب نے کلام میں ایک منفرد انداز کی بنیاد ڈالی ہے آپ کو عام متکلمین کی صف میں شامل کرنا قرینِ انصاف نہیں آپ کا شمار بلاشبہ علم کلام کے ائمہ میں ہونا چاہیے۔

مولانا محمد منظور نعمانی کے الفاظ میں:۔

"اگر علم کلام کی تاریخ مدوّن ہو اور اس فن کے ماہرین کے کارناموں کو کسی کتاب میں جمع کیا جائے تو علامہ سعد تفتازانی، قاضی عضد اور سید سند جیسے مصنّفین فن کے زمرے میں نہیں بلکہ امام ابوالحسن اشعریؒ امام غزالی اور ابن تیمیہ جیسے ممتاز ائمہ کے ساتھ ان کا ذکر مؤرخین کا فرض ہو گا"(۱)

کتب کلامیہ میں "حجۃ اللہ البالغۃ" کا مقام

شاہ صاحب کی شاہکار تصنیف "حجۃ اللہ البالغۃ" کو ہر لحاظ سے علم کلام کی ایک مستند کتاب کی حیثیت دی جانی چاہیے اگرچہ علوم وفنون کے دوسرے شعبوں معاشیات سیاسیات اور دیگر معاشرتی علوم میں بھی برابر اس سے استفادہ کیا جا رہا ہے تاہم اس کی متکلمانہ حیثیت زیادہ نمایاں ہے ڈاکٹر زبید احمد نے اسے اوامرونواہی کی متکلمانہ توضیحات میں شمار کیا ہے۔(۲)

وہ مزید لکھتے ہیں۔

"اس کتاب حجۃ اللہ البالغۃ" کے دونوں مقاصد یعنی مذہب اسلام کی معجزانہ حیثیت کو واضح کرنااور اسلام کے احکام کی مقبولیت کو ثابت کرنا اسلامی علم کلام کا اہم ترین حصہ ہیں یہی وجہ ہے کہ حجۃ اللہ البالغۃ کو علم کلام کے متعلق تصنیف قرار دیا گیا ہے۔(۳)

ابوالحسن علی ندوی کے الفاظ میں:

---

(۱)۔ "شاہ ولی اللہ اور ان کے کلام کا تعارف" مضمون مولانا محمد منظور نعمانی، "الفرقان شاہ ولی اللہ نمبر" محبوب المطابع برقی پریس دہلی، س ن ص : ۲۱۴

(2) ZUBAID AHMAD DR, THE CONTRIBUTION OF INDIA TO ARABIC LITRATURE P: 180

(3) Ibid

اسلام کی جامع اور مربوط ترجمانی جو "حجۃ اللہ البالغۃ" کے صفحات میں دیکھنے میں آتی ہے بہت ہی کم دینی تصانیف میں نظر آئے گی اس طرح "حجۃ اللہ البالغۃ" اس دور عقلیت کے لئے ایک نیا علم کلام بن گیا ہے جس میں ایک حق پسند اور سلیم الطبع انسان کے لئے جس کو علمی استعداد اور دقت نظر کا بھی کچھ حصہ ملا ہو تشفی کا وافر سامان موجود ہے۔[۱]

یہ تصنیف دینی جدلیات میں شاہ صاحب کا سب سے بڑا کارنامہ ہے جس کے ذریعے انہوں نے راسخ سنی عقیدہ کو عملی اور نظری دونوں حیثیتوں سے از سر نو قائم کرنے کی کوشش کی۔[۲]

واقعہ یہ ہے کہ "حجۃ اللہ البالغۃ" کے بارے میں محولہ بالا اقوال وارا مبنی برحقیقت ہیں یہ کتاب بلاشبہ اپنے طرز استدلال اور مباحث کے اعتبار سے جدید علم کلام کے لئے مضبوط بنیاد فراہم کرتی ہے۔ سارے مباحث کا انداز بیان متکلمانہ ہے اس میں عقل اور نقل کے مسلمات سے بیک وقت استدلال کا اہتمام کیا گیا ہے۔

"حجۃ اللہ البالغۃ" کے کلامی مباحث کو مندرجہ ذیل تین بڑے حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

۱۔ تمہیدی مباحث، اس میں اللہ تعالیٰ کی قدرت وصفات "ابداع" "خلق" و "تدبیر" کا بیان ہے اس کے علاوہ "عالم مثال" اور "سرا لتکلیف" کے اہم مباحث بھی اس میں شامل ہیں۔

۲۔ عقائد اس میں توحید، صفات باری تعالیٰ ضرورت وخواص انبیاء اور معاد کا بیان ہے۔

۳۔ بطور دستور حیات انسانی زندگی کے تمام شعبوں سے متعلق اسلامی احکامات کے معقولیت کا اثبات۔

(۱) ندوی، ابوالحسن علی، سید، (تاریخ دعوت وعزیمت) مجلس نشریات اسلام، کراچی ۱۹۸۴ء حصہ پنجم، ص: ۱۱۶

(2) AZIZ AHMAD, PROFESSOR (ISLAMIC CULTURE
اُردو ترجمہ ڈاکٹر جمیل جالبی دہلی ۱۹۹۱ء، ص: ۳۱۰

شاہ صاحب کی دوسری تصانیف میں ہمیں کلامی مباحث ملتے ہیں "الفوز الکبیر فی اصول التفسیر" میں مشرکین عرب کے عقائد کے تناظر میں توحید اور شرک کے درمیان بنیادی فرق کی وضاحت کی گئی ہے قرآن مجید میں مشرکین، یہود اور نصاریٰ کے باطل عقائد، ان کی گمراہیوں اور اعتراضات کا تذکرہ کر کے ان کے جواب میں جو طرز استدلال اختیار کیا گیا ہے شاہ صاحب نے موثر انداز میں ان کا احاطہ کیا ہے اور قرآن کے مشکل مقامات کی وضاحت اور مکررات کی توجیہ بھی نہایت حسن وخوبی کے ساتھ کی ہے جس سے ان کے متعلق شبہات کا بڑی حد تک ازالہ ہو سکتا ہے۔

"ازالۃ الخفا عن خلافۃ الخلفاء" خلافت اور اس سے متعلق مسائل پر مبسوط اور مدلّل بحث پر مشتمل ہے خلافت مختلف مکاتب فکر کے درمیان کلامی مباحث کا بڑا سنجیدہ اور نازک موضوع رہا ہے شاہ صاحب نے اس میں قرآن اور احادیث کے حوالے سے خلفائے راشدین کی معیاری اور قابل تقلید حیثیت کو ثابت کیا ہے اس سلسلے میں شاہ صاحب کا انداز بیان غیر متعصبانہ معقول اور انتہائی مدلّل ہے آپ کے کلام میں اس روایتی تعصب اور انتہاپسندی کا عنصر نہیں جو خلافت کے متعلق متکلمین کے کلامی مباحث کا لازمی حصہ رہا ہے اور جسے عموماً اس قسم کے مباحث کا جو ہر سمجھا جاتا ہے۔

علاوہ ازیں اسلامی فلسفہ عمرانیات کے اہم مسائل بھی "حجۃ اللہ البالغۃ" اور "البدور البازغۃ" میں بیان ہوئے ہیں جن میں انسانی معاشرے کے تہذیبی ارتقا کو چار تدریجی مراحل میں تقسیم کر کے ہر مرحلہ کے تقاضوں اور ضرویات کی تفصیل بیان کی گئی ہے اور بتایا گیا ہے

کہ ان تقاضوں کے مطابق ہر دور میں انبیاء مبعوث ہوتے رہے اور ہمارے نبی کریمؐ کی بعثت آخری تکمیلی مرحلے کے قیام کے لئے ہوئی ہے۔

"الخیر الکثیر" "تفہیمات الٰہیہ" اور لمعات' میں صفات باری تعالیٰ تصوف کے دقیق مسائل کی توضیح کی گئی ہے۔

کلام میں شاہ صاحب کا مسلک

جیسا کہ عرض کیا جا چکا ہے کہ شاہ صاحب کسی خاص مسلک میں محصور مقید نہیں تھے۔ البتہ کلام میں امام اشعری کا مسلک قرآن وسنت سے قریب تر ہونے کی وجہ سے اس کے معتقد تھے۔ امام اشعری کے مسلک کے بارے میں لکھتے ہیں امام ابو الحسن اشعری کو ہم بنظر وقعت دیکھتے ہیں ہماری رائے میں وہ صحابہ کے مذہب کے موافق ہے اگر تم کو صحابہ کے مذہب پر عبور حاصل ہے تو تم اسی نتیجے پر پہنچو گے کہ امام موصوف کا مذہب دراصل اسی کے مطابق ہے۔(۱)

---

(۱) شاہ ولی اللہ (الخیر الکثیر) مجلس علمی مدینہ پریس بجنور سنہ ۱۳۵۲ھ، ص: ۱۲۲

فصل دوم

شاہ صاحب کے تمہیدی مباحث اور ان کی اہمیت

شاہ صاحب نے "حجۃ اللّٰہ البالغۃ" کا آغاز ایسے تمہیدی اور بنیادی مباحث سے کیا ہے جن سے خدا کائنات اور انسان کے تعلق کی وضاحت ہوتی ہے اس کے بعد انہوں نے فطرت انسانی کے خواص اور اس کے اعمال کے اسباب محرکات اور نتائج کی نشاندہی کی ہے احکام الٰہی پر مطمئن ہونے اور ان پر کاربند رہنے کے لئے ان بنیادی تصورات کا انسانی ذہن میں راسخ ہونا از بس ضروری ہے "حجۃ اللّٰہ البالغۃ" کے ان مباحث میں اللہ کی صفات "ابداع" خلق" تدبیر" عالم مثال" ملأ اعلیٰ اور سرّا لتکلیف شامل ہیں

شاہ صاحب نے اللہ تعالیٰ کی صفات "ابداع" خلق ' اور تدبیر کی نہایت جامع اور مربوط توضیح کی ہے۔

"ابداعؒ کی تعریف شاہ صاحبؒ نے یوں کی ہے۔

ایجادالشئی لامن شئی فیخرج الشئی من کتم العدم بغیر مادہ (۱)

ترجمہ : "عدم محض سے کسی چیز کو اس طرح پیدا کرنا کہ وہ بغیر مادہ کے پردہ عدم سے وجود میں آئے"۔ "خلق" سے ان کی مراد یہ ہے ایجادالشئی من شئی کما خلق آدم تراب (۲)

ترجمہ : "مادہ سے کسی چیز کو پیدا کرنا جیسا کہ آدم علیہ السلام کو مٹی سے پیدا کیا"۔

" تدبیر" کا مطلب ہے کائنات کی مختلف اشیا کا حکمت کے ساتھ انتظام کرنا اور ان اشیا کے باہمی

---

(۱) - شاہ ولی اللہ (حجۃ اللہ البالغۃ) تحقیق و تحشیہ مولانا محمد احسن نانوتوی، قدیمی کتب خانہ کراچی س ن جلد اول، ص: ۲۷ -

(۲) ایضاً

تفاعل سے مختلف اثرات پیدا کرنا جن سے کائنات کا نظام چل رہا ہے۔[1] اشیاء کے باہمی تفاعل کے نتائج میں ان کی نوعیت خاصہ کی تاثیر کے ساتھ خدا کی قدرت قبض وبسط بھی کار فرما ہے جو باوجود اسباب کے پیدا ہونے کے کسی واقعے کو رونما ہونے سے روکتا یا اسباب کے بغیر کسی واقعے کو وجود بخشتا ہے۔[2]

"عالم مثال" اور "ملأ اعلیٰ" کی توضیح شاہ صاحب کے تمہیدی مباحث کا اہم حصہ ہے "عالم مثال" کے ضمن میں لکھتے ہیں۔

" اعلم انه دلت احادیث کثیرة علی ان فی الوجود عالماغیر عنصری تتمثل فیه المعانی باجسام مناسبته لها فی الصفة وتتحقق هنالک الاشیاء قبل وجودها فی الارض نحواً من التحقق فاذاوجدت کانت هی هنی بعمنی من معانی هو هو وان کثیراً من الأ شیاء ممالاجسم لهاعندالعامة تنتقل وتنزل ولا یراها جمیع الناس۔[3]

ترجمہ : "جاننا چاہیے کہ اکثر حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک ایسا عالم موجود ہے جس کی ترکیب عناصر سے نہیں اس میں ہر ایک جسمانی چیز کی مناسب صفت اور حالت میں وہ چیزیں جو معنوی ہیں صورت پکڑتی ہیں اور قبل اس کے کہ چیزیں زمین پر ظاہر ہوں پہلے اس عالم میں موجود ہو جایا کرتی ہیں اور موجود ہونے کے بعد انہیں معانی کے اندازہ کی ہوتی ہیں وہ ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہوتی ہے نازل ہوتی ہیں لیکن عام لوگوں کو نظر نہیں آتیں"۔

عالم مثال کے وجود کے اثبات میں شاہ صاحب نے ان احادیث سے استدلال کیا ہے جن میں قیامت کے دن بعض معنوی اشیاء اور اعمال کے مجسم ہونے کا ذکر ہے مثلاً دنیا کو بڑھیا کی شکل میں

(۱) ایضاً ص : ۴۹
(۲) ایضاً ص : ۴۹ - ۵۰
(۳) یہ ترجمہ مولانا عبدالحق حقانی کے اردو ترجمہ (حجۃ اللہ البالغۃ) مطبوعہ لاہور سے ماخوذ ہے

لایا جانا اور موت کو مینڈھے کی شکل میں جنت اور دوزخ کے درمیان ذبح کرنا اور نماز وصدقہ اور روزے کا مجسم ہو کر حاضر ہونا۔ان احادیث سے بھی استدلال کیا ہے جن میں آپؐ کے بعض ملکوتی مشاہدات کا بیان ہے جیسا کہ جنت ودوزخ کا نہایت قریب سے مشاہدہ کرنا جنت میں بعض اہل جنت اور دوزخ میں بعض اہل دوزخ کے احوال وکیفیات کو دیکھنا اور متعدد بار حضرت جبریل کا آپؐ کے سامنے ظاہر ہونا۔

اس قسم کی احادیث کو بیان کرنے کے بعد شاہ صاحب ان کے ماننے اور سمجھنے کی مندرجہ ذیل تین ممکنہ صورتوں کی نشاندہی کی ہے۔

۱۔ پہلی صورت یہ ہے کہ ان کی ظاہری صورتوں کا اقرار کیا جائے شاہ صاحب خود اس پہلی صورت کے قائل ہیں۔

۲۔ دوسری صورت یہ ہے کہ خارج میں تو ان چیزوں کا وجود نہ ہو مگر دیکھنے والے کے سامنے متمثل ہوں۔

۳۔ تیسری صورت یہ ہے کہ ان الفاظ کے معنی کچھ اور لئے جائیں اور انہیں محض امثال تصور کئے جائیں شاہ صاحب نے اس تیسری صورت کو باطل قرار دیا ہے۔[1]

عالم مثال کا تصور اسلام کے بعض بنیادی عقائد کو سمجھنے کے لئے وسیع پس منظر فراہم کرتا ہے یہ عذاب قبر، سزا وجزا اور وجود ملائکہ سے متعلق اسلامی تعلیمات کے اجمال کی تفصیل ہے اور امکان واحوال قیامت کے بارے میں قرآن وحدیث میں وارد دلائل وعدوں اور وعیدوں کی واضح تعبیر ہے اس طرح یہ ان عقائد پر ایمان اور یقین کامل کی کیفیت پیدا کرنے کا مفید ذریعہ ہے۔

---

(۱) شاہ ولی اللہ (حجۃ اللہ البالغۃ) حصہ اول ص: ۵۳-۵۴

"عالم مثال" کے تصور کا دوسرا اہم پہلو یہ ہے کہ اس کے اثبات میں جن احادیث سے استدلال کیا گیا ہے وہ احادیث کے مشکل ترین مقامات میں سے ہیں شاہ صاحب نے "عالم مثال" کے تصور کے ذریعے ان احادیث کی بھی واضح تعبیر وتوضیح پیش کی۔

ملأ اعلیٰ کی توضیح میں شاہ صاحب قرآنی آیات کے حوالے سے اللہ کے مقرب ترین فرشتوں کے اوصاف و فرائض بیان کرتے ہیں کہ وہ ہمہ وقت اللہ کے حکم کے انتظار میں رہتے ہیں اور اللہ اور بندوں کے درمیان ایلچی کا کام دیتے ہیں وہ زمین پر نیکو کاروں کی مغفرت کے طلب گار ہوتے ہیں اور بدکاروں پر لعنت بھیجتے ہیں جس کا نتیجہ ایمانداروں کے لئے اطمینان قلب نزول رحمت الٰہی اور بدکاروں کے لئے نقصان کی صورت میں ہوتا ہے[۱] ملأ اعلیٰ کی اس توضیح میں بھی ترغیب و تربیت کا عنصر موجود ہے۔

سرّ التکلیف کے بیان میں شاہ صاحب لکھتے ہیں

فتبين ان التكليف من مقتضيات النوع وان الانسان يسأل ربه بلسان استعداده ان يوجب عليه مايناسب القوة الملكية ثم يثبت على ذلك وان يحرم عليه الانهماك فى البهيمية ويعاقب على ذلك[۲]

ترجمہ: ظاہر ہے کہ انسان کو مکلف بنانا اس کی نوعیت خاصہ کا عین تقاضا ہے انسان اپنی زبان استعداد سے اپنے پروردگار سے خواستگار رہتا ہے کہ ان امور کو جو ملکیت کے مناسب ہوں اس پر واجب کرے اور ان پر اس کو ثابت قدم رکھے۔ بہیمی امور میں منہمک ہونے کو اس پر حرام کرے اور ان کے ارتکاب اس سے داؤ گیر کرے"۔ "سرّ التکلیف" کی مزید تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

---

(۱) ایضاً ص: ۵۹

(۲) ایضاً ص: ۷۲

فان قیل من این وجب علی الانسان ان یصلی ومن این وجب علیہ ان ینقاد للرسول ومن این حرم علیہ الزنا والسرقۃ؟ فالجواب وجب علیہ ھذا وحرم علیہ ذلک من حیث وجب علی البھائم ان ترعی الحشیش، و حرم علیہ اکل اللحم ووجب علی السباع ان تاکل اللحم ولا ترعی الحشیش ومن حیث وجب علی النحل ان یتبع الیعسوب الا ان الحیوان استوجب تلقی علومہ الھاما جبلیاً واستوجب الانسان تلقی علومہ کسباً ونظراً او وحیا اوتقلیداً[1]

ترجمہ : "اگر پوچھا جائے کہ انسان پر نماز پڑھنا کہاں سے واجب ہوا رسول کی اطاعت کس طرح واجب ہوئی زنا اور چوری کہاں سے حرام ہوئے تو اس کا جواب یہ ہو گا کہ اس پر یہ کام واجب اور وہ کام حرام بالکل اسی طرح کئے گئے کہ جیسے بہائم کے لئے گھاس کھانا لازم قرار دیا گیا اور گوشت کھانا حرام کیا گیا درندوں کے لئے گوشت کھانا ضروری قرار دیا گیا اور حکم دیا گیا کہ گھاس نہ کھائیں شہد کی مکھیوں کو حکم دیا گیا کہ یعسوب کا اتباع کریں اتنا فرق ہے کہ حیوانات میں یہ علم جبلی ہیں انسان کسب، غور، تقلید یا وحی سے ان کو حاصل کرتا ہے"۔

غرض یہ کہ عالم مثال، ملأ اعلی اور سرّ التکلیف وہ اساسی تصورات ہیں جو ایک عالمگیر ہمہ گیر اور ابدی نظام حیات کے قیام کے لئے ٹھوس فکری بنیاد فراہم کرتے ہیں اور انسان کو احکام الٰہی کی تعمیل پر آمادہ اور مطمئن کر سکتے ہیں یہی وجہ ہے کہ شاہ صاحب نے اسلام کے پیغام کو ایک محکم نظام فکر و عمل کے طور پر پیش کرنے کے لئے ان بنیادی عقلی مقدمات کی تشریح وتوضیح فرمائی اور یوں

(۱) ایضاً ص : ۸۱

انسانی معاشرہ اور فرد کے لئے اسلامی عقائد واحکام کی ضرورت اور اہمیت واضح ہو گئی۔

شاہ صاحب کے اس طرز تحقیق کے متعلق جدید دور کے ایک ہندوستانی مصنف شمس الرحمن محسنی لکھتے ہیں۔

شاہ صاحب اپنی تحقیقات شروع کرنے سے پہلے ایک ماورائی نظام فکر بناتے ہیں ان کا یہ ماورائی نظام فکر آئندہ کی تحقیقات میں اساس کا کام دیتا ہے اس کا یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ ان کی تمام تحقیقات ایک نظام میں منسلک ہو جاتی ہیں۔[1]

(۱) محسنی، شمس الرحمٰن (شاہ ولی اللہ کے عمرانی نظریے سندھ ساگر اکادمی لاہور ۱۹۸۸ء ص: ۵۶

فصل سوم

عقائد

شاہ صاحبؒ کے کلامی مباحث کا ایک بڑا حصہ عقائد کی بحث پر مشتمل ہے جو آپؒ کی متفرق تصانیف میں جابجا ملتے ہیں۔ آپؒ نے اپنے ایک رسالہ "العقیدۃ الحسنۃ" میں اپنے عقائد کا اظہار بھی کیا ہے۔ جسے سنی عقائد کا خلاصہ اور اسلامی عقائد کی نصابی کتب میں شمار کیا گیا ہے۔[1] عقائد کے سلسلے میں آپ کے اہم مباحث مندرجہ ذیل ہیں۔

۱۔ توحید کی توضیح و تنقیح

۲۔ توحید اور شرک کے درمیان بنیادی فرق کی وضاحت

۳۔ مظنات شرک کا بیان

۴۔ آپؒ کے عقائد

۵۔ صفات باری تعالیٰ کے بارے میں اصولی رہنمائی

۱۔ توحید کی توضیح و تنقیح

شاہ صاحبؒ نے توحید کو نیکی کی بنیاد اس کی عمدہ قسم قرار دی ہے[2] توحید کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

توحید کے چار مرتبے ہیں۔

۱۔ صرف خدا میں وجوب وجود کو ثابت کرنا کہ اس کے سوا کوئی دوسرا واجب نہ ہو۔

---

(1) ZUBAID AHMAD, DR, THE CONTRIBUTION OF INDIA TO ARABIC LITRATURE P: 109

(۲) شاہ ولی اللہ (حجۃ اللہ البالغۃ) جلد اول ص: ۱۷۵

۲۔ صرف اس کی ذات کو عرش، کرسی، آسمان، زمین اور تمام جوہروں کا خالق سمجھنا کتب الٰہیہ نے ان دونوں مرتبوں سے کچھ بحث نہیں کی ہے یہ دونوں مقدمات از روئے قرآن مشرکین عرب یہود و نصاری سبھی کے ہاں مسلم تھے۔

۳۔ آسمان، زمین اور ان کے درمیان موجود تمام چیزوں کا مدبّر ذات باری کو سمجھنا۔

۴۔ خدا کے سوا کسی اور کو عبادت کا مستحق نہ سمجھنا۔[1]

۲۔ توحید اور شرک کے درمیان بنیادی فرق کی وضاحت

توحید کی اس ضروری وضاحت کے ساتھ ساتھ شاہ صاحب نے اس کے اور شرک کے درمیان اصل اور بنیادی فرق کی بھی نشاندہی فرمائی مشرکین عرب جو ملت ابراہیمہ کا پیروکار ہونے کے دعویدار تھے اس کے باوجود وہ شرک جلی میں مبتلا تھے حالانکہ ملت ابراہیمہ کی بنیاد توحید خالص پر رکھ دی گئی تھی شاہ صاحبؒ نے قرآن کے تصورِ توحید کی روشنی میں مشرکین عرب میں رائج مشرکانہ تصورات اور رسومات کا تجزیہ کیا اور شرک کی ان صورتوں کی نشاندہی کی جن کے شرک ہونے کا احساس بھی نہیں تھا۔ آپؒ تفصیل سے ان کی شرک کی کیفیت و نوعیت کا نقشہ کھینچتے ہوئے لکھتے ہیں۔

" مشرکین (عرب) بھی کار تخلیق یا عظیم امور کی تدبیر اور تصرف میں کسی کو خدا کا شریک نہیں مانتے تھے ان کا عقیدہ تھا کہ جب خدا کسی کام کے کرنے کا ارادہ کرتا ہے تو کسی میں اس کے روکنے کی طاقت نہیں ہے۔ ان کا شرک صرف ایسے امور کے متعلق تھا جو بندوں کے ساتھ مخصوص تھے۔ وہ یہ سمجھتے تھے کہ جس طرح بڑا بادشاہ اپنے مقربان خاص کو ملک کے مختلف حصوں کا امیر بنا کر بھیجتا ہے تو بعض چھوٹے چھوٹے امور میں ان کو مختار بنا دیتا ہے تاکہ وہ ان امور میں بادشاہ کے احکام کی عدم

---

(۱) شاہ ولی اللہ (حجۃ اللہ البالغہ) جلد اول ص : ۱۷۵

موجودگی میں اپنی رائے اور فیصلہ سے کام کر سکیں - بادشاہ جزوی معاملات کی طرف توجہ نہیں دے سکتا- لہٰذا وہ ایسے تمام معاملات میں اپنے فرستادہ لوگوں یا اپنے امرا حکام کو خود مختار بنا رہتا ہے اور اپنی رعایا کو حکام کے حوالہ کر دیتا ہے - ان حکام کی اپنے ملازمین اور متوسلین کے حق میں سفارش قبول کرتا ہے بالکل اسی طرح خداوند پاک نے بھی اپنے بعض خاص بندوں کو الوہیت کا خلعت مرحمت فرمایا ہے- ایسے لوگوں کی رضامندی اور ناراضگی دوسرے بندوں کے حق میں مؤثر ہے- اس عقیدہ کی بنا پر وہ ان بندوں کا تقرب اور خوشی حاصل کرنا ضروری سمجھتے تھے تاکہ وہ بادشاہ حقیقی کی بارگاہ میں مقبولیت کے مستحق بن سکیں اور حاجت براری کے موقع پر بھی ان بندگان خاص کی سفارش ان کے حق میں مقبول ہو سکے

انہی اسباب کے پیش نظر وہ ان بندگان خاص کے حضور میں سجدہ روا سمجھتے تھے ان کے نام پر قربانی دینا ان کے نام کی قسمیں کھانا اور ضروری امور میں اعانت طلب کرنا جائز سمجھتے تھے- انہوں نے پتھر لوہے اور مختلف دھاتوں کی مورتیں بنا کر ان بندگان خاص کی روحوں کی طرف متوجہ رہنے کا وسیلہ قرار دیا تھا- پھر رفتہ رفتہ ان جاہلوں نے ان پتھروں ہی کو اپنا معبود سمجھ لیا اور ایک عظیم گمراہی کا سلسلہ شروع ہو گیا-[1]

شرک کے مظنات

شرک کی حقیقت کو مزید واضح اور نمایاں کرنے کیلئے شاہ صاحب نے شرک کے مظنات کی بھی نشاندہی فرمائی ہے جو یہ ہیں-

۱- غیر اللہ کو سجدہ کرنا -

(۱) شاہ ولی اللہ، (الفوز الکبیر فی اصول التفسیر) ص: ۵

۲۔ ضرورت کے وقت غیر اللہ سے مدد مانگنا جیسے مریض کو شفا دینا یا تنگی دور کرنا

۳۔ بعض شرکا کو اللہ کی بیٹیاں یا بیٹے سمجھنا

۴۔ ذبح کے ذریعے تقرب حاصل کرنا

۵۔ بتوں یا بڑی ہستیوں کے نام کی قسمیں کھانا

۶۔ احبار و رہبان کو رب ماننا

۷۔ غیر اللہ کے لئے حج کرنا

۸۔ اولاد کو عبد العزی یا عبد الشمس نام رکھنا (۱)

ایسا لگتا ہے کہ مشرکین عرب کے تصور شرک کے اس تجزیہ اور شرک کے عام مظنات کو بیان کر کے شاہ صاحبؒ اپنے عہد میں ہندوستان میں رائج شرک کی رسومات کو بے نقاب اور ان کی اصلاح کرنا چاہتے ہیں آپؒ نے شرک کے جن جن تصورات اور صورتوں کا سراغ لگایا ہے وہ تقریباً تمام آپؒ کے عہد میں ہندوستان میں رائج اور متعارف تھیں اور آج کل بھی شرک کی یہ صورتیں پائی جاتی ہیں۔

شاہ صاحبؒ نے توحید وصفات باری کی توضیح کے ساتھ ساتھ اپنے عقائد کا بھی اظہار فرمایا۔لکھتے ہیں:

"میں دل کی پختگی کے ساتھ یہ عقیدہ رکھتا ہوں کہ اس عالم کا ایک بنانے والا ہے جو قدیم ہے، زوال پذیر نہیں، جس کا وجود واجب اور عدم ممتنع ہے، بہت اونچا مرتبہ والا، کمال کی تمام صفات سے متصف اور تمام نقائص اور زوال سے پاک تمام مخلوقات کا خالق، تمام معلومات کا عالم تمام ممکنات پر

(۱) مصنف مذکور (حجۃ اللہ البالغہ) جلد اول ص: ۱۸۴ - ۱۸۸

قادر، تمام کائنات کو وجود بخشنے والا، زندہ، سننے والا اور دیکھنے والا ہے جس کا شبیہ، ضد اور مثل نہیں وجوب وجود اور عبادت میں اس کا کوئی شریک نہیں اور نہ خلق وتدبیر میں اس کا کوئی شریک ہے، عبادت یعنی اعلیٰ درجے کی تعظیم کا مستحق صرف وہی ہے اس کے بغیر کوئی مریض کو شفا دینے والا، رزق دینے والا اور تکلیف دور کرنے والا نہیں؛ جس کی ذات کے ساتھ کوئی حادث چیز قائم نہیں اور نہ اس کی صفات میں حدوث وزوال ہے البتہ حدوث وزوال اس تعلق میں ہے جو صفات اور ان کے متعلقات میں ہے جن سے افعال کا ظہور ہوتا ہے مگر حقیقت تو یہ ہے کہ یہ تعلق بھی حادث نہیں حادث وہ متعلقات میں چنانچہ متعلقات میں تفاوت سے تعلق کے احکام میں تفاوت رونما ہوتا ہے وہ ہر لحاظ سے حدوث تجدد سے مبّرا ہے وہ جوہر نہیں عرض نہیں جسم نہیں۔[1]

شاہ صاحب رویت باری تعالیٰ کے قائل ہیں آپ کے نزدیک اللہ پر کوئی چیز واجب نہیں ہاں وہ جو وعدہ کرتا ہے اسے پورا کرتا ہے اللہ تعالیٰ کے تمام افعال حکمت پر مبنی ہیں اور کلی مصلحت کے مقتضی ہیں لیکن وہ حکمت اور کلی مصلحت جس کا اسے علم ہے اس پر واجب نہیں[2] اشیا کے حسن وقبح کے تعین میں عقل حاکم نہیں اللہ کے فیصلے حکم اور اس کی طرف سے لوگوں کو مکلف بنانے پر اس کا تعین موقوف ہے کفر اور گناہ اللہ کی تخلیق اور اس کے ارادے سے ہیں لیکن وہ ان سے راضی نہیں۔[3]

صفات باری تعالیٰ کی تفصیل سے متعلق اصولی رہنمائی

شاہ صاحبؒ نے صفات باری تعالیٰ کو سمجھنے اور ان کے متعلق عقائد کو درست رکھنے کے لئے چند اصولی باتیں بھی بیان کی ہیں جن کا خلاصہ یہ ہے۔

---

(۱) مصنف مذکور (التفہیمات الہیہ) مجلس العلمی دابھیل سورت (ہند) ۱۹۳۶ء حصہ اول ص: ۱۴۴-۱۴۵

(۲) ایضاً ص: ۱۴۵-۱۴۶

(۳) ایضاً

۱۔ جو صفات جسمانیت پر دلالت کرتی ہیں جیسے سمع، بصر، ضحک، کلام، ان میں غوروخوض کئے بغیر ان پر ایمان لانا چاہیے یہ صفات توقیفی ہیں ان پر غوروخوض کرنا جائز نہیں ان پر غوروخوض کرنے سے گمراہی کا راستہ کھل جاتا ہے صحابہؓ اور سلف صالحین کا یہی مسلک رہا ہے۔(۱)

۲۔ بعض صفات سے غایتیں مراد لی جائیں نہ کہ ابتدائی حالتیں مثلاً" رحمت کے معنی نعمتوں کے ذریعے فیض پہنچانا مراد ہو نہ کہ دل کا میلان اور نرمی

تشبیہات کا اس طرح استعمال ہو کہ ان کے اصلی معنی مراد نہ ہو بلکہ ایسے معنی مقصود ہوں جو اصلی معنی کے مناسب ہوں مثلاً ہاتھ کی کشائش سے جودوسخا مراد ہو۔(۲)

۳۔ بعض صفات کو اللہ کی طرف منسوب کرنا جائز نہیں جیسے خوف اور رونا(۳)

صفات باری تعالیٰ کے متعلق شاہ صاحبؒ کے افکار و نظریات قرآن وسنت کی تعلیمات پر مبنی اور ممکنہ حد تک صحابہؓ کے مسلک کے مطابق ہیں۔ آپؒ صفات باری تعالیٰ کے ضمن میں وارد ظواہر نصوص پر ایمان رکھتے ہیں ان میں کسی قسم کی تاویل کرنے سے بچتے ہیں جن صفات کی تفسیر کی ضرورت محسوس کرتے ہیں ان کی تفسیر کرتے ہوئے بھی حزم واحتیاط کا دامن ہاتھ سے چھوٹنے نہیں دیتے غیر ضروری طوالت اور غیر ضروری اختلافی مسائل کو چھیڑنے سے اجتناب کرتے ہیں۔ عقائد وصفات کے بارے میں آپؒ کے افطار و نظریات محض آپؒ کے کلام کا ایک حصہ ہے۔ برعکس دوسرے متکلمین کے جن کے کلامی مباحث کی تمام تر بنیاد اور سرمایہ صرف عقائد وصفات تک محدود ہے۔

---

(۱) مصنف مذکور (حجۃ اللہ البالغۃ) جلد اول ص: ۱۹۲

(۲) ایضاً ص: ۱۸۹

(۳) ایضاً ص: ۲۲۳

نبوت :-

شاہ صاحب نے عقیدہ نبوت کے ضروری پہلوؤں کی متکلمانہ انداز میں وضاحت کی ہے جن میں ضرورت انبیاء، انبیاء کی امتیازی خصوصیات اور ان کی عصمت کے مباحث شامل ہیں

ضرورت انبیاء

شاہ صاحبؒ انسانی فطرت کے حوالے سے، جو اپنی فلاح کے لئے الہامی رہنمائی کی متقاضی ہے انبیاء کی ضرورت کا اثبات کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

" تمام لوگ مقصود حالتوں اور ان کی منفعتوں اور اندیشناک حالتوں اور ان کی مضرتوں کو نہیں سمجھ سکتے اس لئے تمام لوگوں کو ایسے واقف حال کی ضرورت ہے جو رہنمائی کے قوانین کو جانتا ہو اور لوگوں کا ان قوانین سے انتظام کرے اور ان کو ہدایت کرکے امادہ کرے [(۱)] دوسرے مقام پر انبیاء کی ضرورت پر اس طرح روشنی ڈالتے ہیں۔

فمثله فی ذلک کمثل سید مرض عبیده، فامر بعض خواصه ان یکلفهم شرب دواء اشیاء وا ام أبوا فلو انه اکرههم علی ذلک کان حقا" ولکن تمام اللطف یقتضی ان یعلمهم اولا" انهم مرضی، وان الدواء نافع، وان یعمل اموراً خارقة تطمئن نفوسهم بهاعلی انه صادق فیما قال، وان یشوب الدواء بحلو [(۲)]

ترجمہ : نبی کی مثال ایسی ہے جیسا کہ کسی بادشاہ کے غلام بیمار پڑ جائیں اور وہ بادشاہ اپنے خواص میں سے کسی کو انہیں دوا پلانے پر مامور کرے خواہ وہ چاہیں یا نہ چاہیں اس وقت اگر یہ شخص ان کو دوا پینے پر مجبور کرے گا تو وہ حق پر ہو گا۔ تاہم کمال مہربانی کا تقاضا یہ ہے کہ وہ پہلے ان کو بتا دے کہ تم

---

(۱) ایضاً ص : ۲۴۳

(۲) ایضاً ص : ۲۵۰

بیمار ہو اور یہ دوا تم کو فائدہ دے گی اور ان کے سامنے خلاف عادت و معمول ایسے افعال بھی ظاہر کرے جس سے ان کے دلوں میں بخوبی بیٹھ جائے کہ وہ اپنے افعال میں بالکل سچا ہے اور وہ دوا کے ساتھ شرینی بھی ملائے"۔

شاہ صاحبؒ کے کلام کے مذکورہ اقتباسات سے ظاہر ہے کہ آپ فلاح انسانی کے لئے انبیاء کی بعثت کی ضرورت واہمیت کو نہایت معقول اور مؤثر انداز میں ثابت کر رہے ہیں۔ انبیاء کی بعثت انسانی ضروریات کی تکمیل اور انسانوں کو ان کے اصل مقام تک رسائی دلانے کے لئے ہوتی ہے جہاں تک از خود پہنچنا عام انسان کے لئے ناممکن ہے۔

مقاصد رسالت

شاہ صاحبؒ نے رسالت کے تین بڑے مقاصد کی نشاندہی کی ہے وہ یہ ہیں۔

۱۔ عقائد کو درست کرنا ۲۔ طاعات مقربہ اور ارتفاقات ضروریہ کو درست کرنا ۳۔ احسان اور اخلاص کے رویوں کو جو دین حنفی کی بنیاد ہیں درست کرنا۔[1]

عصمت انبیاء

شاہ صاحبؒ نے عصمت انبیاء کی تین وجوہات بیان کی ہیں

۱۔ وہ فطرت سلیمہ اور کمال انسانی اعتدال اخلاق پر پیدا ہوتے ہیں اور گناہوں سے متنفر ہوتے ہیں۔

۲۔ ان پر وحی کے ذریعہ یہ حقیقت منکشف ہوتی ہے کہ گناہ موجب سزا اور اطاعت باعث اجر ہے۔

۳۔ اللہ تعالیٰ ان کے اور گناہوں کے درمیان حائل ہوتا ہے۔[2]

شاہ صاحبؒ عصمت انبیاء کے قائل ہونے کے ساتھ یہ ضروری صراحت بھی کرتے ہیں کہ یہ

---

(۱) شاہ ولی اللہ (التفہیمات الٰہیہ) حصہ اول ص : ۱۲

(۲) ایضاً ص : ۱۲۷

صرف کبائر گناہ سے مانع ہے ارتکاب صغائر کرتے ہوئے ان کی طبیعت کو قلق ہوتا ہے۔[1]

شاہ صاحبؒ نے انبیاء کی امتیازی خصوصیات پر جامع گفتگو کی ہے اور یہ ثابت کرنے کی کوشش کی کہ ان کی دعوت انسانی ضرورت، فطرت انسانی سے ہم آہنگ، سہل اور انسانی زندگی کے تمام تقاضوں کا پورا لحاظ رکھنے والی ہوتی ہے۔

---

(۱)۔ مصنف مذکور، الخیر الکثیر، ص: ۲۲

فصل چہارم

عبادات کے اسرار

شاہ صاحبؒ کے کلام کا بنیادی اور مرکزی حصہ اسلامی احکام ' عبادات ' شریعت کے اسرار کے بیان میں ہے جس میں انہوں نے اسلامی احکام ادامرونواہی کے اسرار بیان کرکے انہیں انسانی فطرت سے ہم آہنگ اور انسان کی روحانی اور جسمانی نشوونما اور فلاح کے لئے ناگزیر ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ یہ بحث خاصی طویل ہے۔ اس لئے اسے دو فصلوں میں بیان کیا جائے گا پہلی فصل میں صرف عبادات کے اسرار بیان کئے جائیں گے جبکہ دوسری فصل میں شریعت کے دیگر عمومی احکام کے اسرار کا بیان ہو گا۔

طہارت

عبادات کے اسرار کے بیان میں شاہ صاحبؒ نے عبادات کی شرائطوارکان سے لے کر ان کی جزئیات تک تمام پہلوؤں پر جامع' مفصل اور مربوط بحث کی ہے۔ طہارت جو نماز کی بنیادی شرائط میں سے ہے پر بحث کرتے ہوئے شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں۔

"طہارت کی دو قسمیں ہیں

۱۔ طہارت کبریٰ' یعنی تمام بدن کا دھونا اس لئے کہ خود پانی ایک پاک چیز ہے سب نجاستوں کو دور کر دیتا ہے تمام طبیعتوں نے اس کے اثر کو قبول کرلیا ہے۔

۲۔ طہارت صغریٰ: ہاتھ پاؤں اور منہ کا دھونا' تمام آباد ملکوں میں یہ معمول جاری ہے کہ یہ اعضا

قدرتی طور پر کھلے رہتے ہیں ..... تمام شہری سلاطین و امرا کے حضور میں جاتے ہیں۔ یا کسی عمدہ یا پاکیزہ کام کرنے کا قصد کرتے ہیں تو ان اعضا کو ضرور دھوتے ہیں اس سے ظاہر ہے ان اعضا پر اکثر گرد و غبار و چرک وغیرہ کا اثر جلد ہوتا ہے۔ باہمی ملاقات کے وقت بھی انہی اعضا پر نظر پڑتی ہے۔ تجربہ سے شہادت ملتی ہے کہ ہاتھ پاؤں کے دھونے سے اور سر پر پانی چھڑکنے سے نفس پر بڑا اچھا اثر ہوتا ہے۔ خواب یا نہایت درجہ کی بے ہوشی کی کیفیت اس سے دور ہوتی ہے"۔(۱)

"حجۃ اللّٰہ البالغۃ" میں ارکان اسلام کے اسرار پر دو علیحدہ علیحدہ مقامات پر بحث کی گئی ہے۔ پہلے حصہ میں ان عبادات کے عام مصالح بیان کئے گئے ہیں۔ دوسرے حصے میں ان عبادات کی فضیلت اور ان کے مختلف احکام کے بارے میں وارد احادیث کے اسرار و رموز سے پردہ کشائی کی گئی ہے۔

نماز کے اسرار

نماز کے اسرار کے بیان میں یہ واضح کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ نماز اپنی ہیئتِ ترکیبی کے لحاظ سے عبادت (انتہائی عاجزی) کی ایک بہترین و موزون شکل ہے۔ اس ضمن میں نماز کے جملہ ارکان خاص کر قیام، رکوع اور سجدہ اور ان کی بالترتیب ادائیگی کے رموز بیان کئے گئے ہیں۔ لکھتے ہیں:۔

"نماز میں اصل امور تین ہیں ۱۔ اللہ کی بزرگی اور جلال کے سامنے دلی عاجزی کا اظہار ۲۔ اللہ کی عظمت اور اپنی انکساری کو خوش بیانی سے ظاہر کرنا ۳۔ اس خاکساری کی حالت کے موافق اعضا میں آداب کا اظہار۔(۲)

پھر آگے جا کر اللہ کی تعظیم کے شایان شان مناسب شکل اختیار کرنا اس بات کو متقاضی ہے کہ

---

(۱) شاہ ولی اللہ (حجۃ اللہ البالغۃ) الجزء الاول ص: ۲۱۲

(۲) ایضاً ص: ۲۱۵

اس کے سامنے کھڑے ہو کر مناجات کی جائے ' انسان اس کے سامنے مکمل طور پر سرنگوں ہو جائے کیونکہ گردن کشی غرور کی علامت ہے اور سرنگوں ہونا نیاز مندی کی نشانی ہے اور اس سے بھی بڑھ کر تعظیم یہ ہے کہ اللہ کے حضور اپنے سرکو زمین پر رگڑے جو کہ تمام اعضا میں بزرگ اور حواس انسانی کے جمع ہونے کی جگہ ہے"۔ (۱)

قیام و رکوع اور سجدہ کی علی الترتیب ادائیگی کی حکمتیں شاہ صاحب نے یوں بیان کئے ہیں .

" اور سب صورتوں میں نماز کی صورت عمدہ ترین ہے کہ اس میں یہ تینوں امور جمع ہیں اور اس کے ساتھ یہ بھی ہے کہ نماز میں ادنیٰ تعظیمی حالت سے اعلیٰ کی طرف ترقی ہوتی ہے تاکہ دم بدم نیاز مندی اور خاکساری کی حالت زیادہ ہوتی ہوئی معلوم ہو۔ جو فائدہ اس ترقی کی حالت میں ہو سکتا ہے وہ تنہا اعلیٰ درجہ کی تعظیم میں یا اعلیٰ سے ادنیٰ کی طرف منتقل ہونے میں نہیں ہو سکتا۔" (۲)

سجدہ کی دوبارہ ادائیگی کے مصالح بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

" یہ معلوم ہوتا ہے کہ مقصود بالذات سجدہ کرنا ہے اور باقی قیام و رکوع اس کے لئے واسطہ ہیں۔ اس لئے ضروری ہوا کہ اس کو کماحقہ ادا کیا جائے اور اس کی صورت یہی ہے کہ دو مرتبہ اس کو ادا کریں"۔ (۳)

نماز کے اسرار پر بحث خاصی طویل اور نہایت جامع ہے جس میں نماز کے شرائط ارکان' واجبات' سنن' مستحبات' زبانی اذکار' قلبی کیفیات اور بدنی آداب کی موزونیت و معقولیت پر مفید بحث کی گئی ہے۔

---

(۱) ایضاً ص: ۲۱۵ ، البدور البازغہ مطبع حیدری لجبت روڈ، سنہ ۱۹۷۰ء، ص: ۱۵۸

(۲) ایضاً ص: ۲۱۸-۲۱۷

(۳) ایضاً الجزء الثانی، ص: ۱۱۔

زکوۃ کے اسرار

زکوۃ کے اسرار کے بیان میں شاہ صاحبؒ نے فرضیت زکوۃ کے مصالح اور احکام زکوۃ کے اسرار وحِکَم پر انسانی مسلمات کے حوالے سے بحث کی ہے۔

فرضیت زکوۃ میں افراد انسانی کے افرادی واجتماعی مصالح

شاہ صاحبؒ کے نزدیک فرضیت زکوۃ میں مندرجہ ذیل دو اہم مصلحتیں ہیں۔

۱۔ نفس انسانی کو بخل جیسی مذموم اور مہلک صفت سے پاک کرکے اس میں سخاوت جیسی مفید صفت پیدا کرنا۔

۲۔ شہر کے فقرا وحاجت مندوں اور منتظمین شہر کی کفالت کا بندوبست کرنا۔[1]

زکوۃ کے مذکورہ بالا دو اہم مصالح کی نشاندہی کرنے کے بعد شاہ صاحبؒ نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ زکوۃ کے تمام احکام مقدار زکوۃ' نصاب زکوۃ' زکوۃ کے ادائیگی کی مدت اور مصارف زکوۃ اس قدر موزون مناسب ہیں کہ ان سے ایک طرف فرضیت زکوۃ کے مذکورہ بالا مصالح کی بدرجہ اتم تکمیل ہوتی ہے۔ دوسری طرف زکوۃ ادا کرنے والوں پر کوئی باعث دقّت یا ناممکن بوجھ بھی نہیں پڑتا۔ اس ضمن میں شاہ صاحبؒ کے اہم مباحث کا خلاصہ پیش کیا جاتا ہے۔

مصادر زکوۃ کا معقول ہونا

شاہ صاحبؒ نے تصریح کی ہے۔ کہ شرع میں جن جن اموال میں زکوۃ فرض کیا گیا ہے۔ وہ اموال تمام معتدل مزاج اقوام کے ہاں مسلّم رہے ہیں۔ پھر شاہ صاحبؒ نے ان کی اس طرح درجہ بندی کی ہے۔

---

(۱) شاہ ولی اللہ، حجۃ اللہ البالغۃ، جز ثانی ص: ۱۰۰ - ۱۰۱

۱۔ وہ اموال جو بڑھتے رہتے ہیں مثلاً" مویشی' زرعی پیداوار اور سامانِ تجارت

۲۔ صاحب ثروت اور سرمایہ دار حضرات کے پاس موجود مال

۳۔ وہ مال جو بلامشقت حاصل ہوں جیسا کہ دفینے اور دشمن سے حاصل شدہ جواہرات

۴۔ عام امدن والے پیشہ ور حضرات کے پاس موجود مال۔[1]

مدت ادائیگی زکوۃ کا موزون ہونا

زکوۃ کی ادائیگی کے لئے ایک سال کی جو مدت مقرر کی گئی ہے اس کے متعلق شاہ صاحبؒ کی رائے ہے یہ ایک معقول مدت ہے۔ ایک حدیث میں یہ تصریح ملتی ہے کہ پانچ وسق سے کم چھواروں' پانچ اوقیہ سے کم چاندی اور پانچ سے کم اونٹوں میں صدقہ نہیں اس مقدار کے مقرر کرنے کے اسرار بیان کرتے ہوئے شاہ صاحب نے یہ وضاحت کی ہے۔ کہ یہ مقداریں ایک متوسّط گھرانے کے لئے پورے سال کے لئے مکمل روزینہ ہیں۔[2]

زکوۃ کے جن مصارف کا تعین کیا گیا ہے۔ شاہ صاحبؒ نے انہیں مندرجہ ذیل تین بنیادی مدات میں تقسیم کیا ہے۔

۱۔ محتاجوں کی کفالت جن میں فقرا ' مساکین' مسافر اور مقروض شامل ہیں۔

۲۔ زکوۃ وصول کرنے والے اور مجاہدین

۳۔ فتنوں کی روک تھام کے لئے یعنی کمزور عقیدہ مسلمانوں کی اعانت کرکے انہیں دین پر قائم رکھنے کے لئے۔[3]

---

(۱) ۔ ایضاً ص ؛ ۱۰۲ - ۱۰۳

(۲) ایضاً ص ؛ ۱۱۰

(۳) ایضاً ص ؛ ۱۱۶

روزے کے اسرار

روزے کے اسرار کے بیان میں شاہ صاحبؒ نے مندرجہ ذیل نکات پر بحث کی ہے۔

تذکیۂ نفس میں روزے کی افادیت

روزہ کے لئے وقت کا تعین کرنے کی ضرورت

روزہ کے لئے ایک ماہ کی مدت مقرر کرنے میں حکمت

روزے کو رمضان سے خاص کرنے میں حکمت وغیرہ

تذکیۂ نفس میں روزے کی افادیت۔شاہ صاحبؒ کے نزدیک نفس انسانی میں موجود قوت بہیمیت کھانے پینے اور دوسرے شہوانی خواہشات کی تکمیل سے پروان چڑھتی ہے اس لئے قوت بہیمیت کو مغلوب کرنے اور قوت ملکیت کی بہتر نشوونما کے لئے ضروری ہے کہ نفسی خواہشات کی تکمیل میں مناسب کمی کی جائے۔(۱)

روزے کے لئے وقت کا تعین کرنے کی ضرورت

شاہ صاحبؒ کے نزدیک روزہ کے لئے وقت کا تعین اس لئے کیا گیا تاکہ اس میں افراط و تفریط سے بچا جائے اگر وقت کا تعین نہ کیا جاتا تو ممکن تھا کہ بعض لوگ اس قدر کم عمل میں لاتے جو ان کے لئے کافی و موثر نہ ہوتا، اور بعض اتنا زیادہ عمل کرتے جو ان کے لئے زیادہ کمزوری کا باعث بنتا۔(۲)

جیسا کہ عرض کیا گیا کہ تقلیل غذا قوت بہیمیت کو دبانے کا ایک موثر ذریعہ ہے۔ شاہ صاحبؒ نے تقلیل غذا کے دو طریقے بتائے ایک یہ کھانے میں کمی کی جائے دوسرا یہ کہ کھانے میں عادت کے خلاف دیر کی جائے شریعت میں موخر الذکر طریقے کا اعتبار کیا گیا۔ جو بہ نسبت اول الذکر زیادہ مؤثر ہے۔(۳)

---

(۱)۔ ایضاً ص: ۱۲۵۔ ۱۲۶

(۲) ایضاً ص: ۱۲۶

(۳) ایضاً ص: ۱۲۷

روزہ کے لئے ایک ماہ کی مدت کا تعیّن بھی اس کو مؤثّر بنانے کے لئے کیا گیا ہے' اس سے کم مدت میں روزے کا مطلوب اثر واقع نہ ہوتا جب کہ ایک ماہ سے زیادہ مدت مقرر کرنے میں زیادہ تھکاوٹ وکمزوری کا خدشہ لاحق رہتا[1] روزے کو رمضان کے مہینے سے خاص کرنے میں مصلحت یہ ہے کہ رمضان کے مہینے میں قرآن مجید کا نزول ہوا تھا۔ اور اسی مہینے میں ملت محمدیؐ تکمیل ہوئی تھی۔ اسی سبب سے روزے کو رمضان کے مہینے سے مخصوص کر دیا گیا۔[2]

حج کے اسرار

حج کی شروعیت کی مصلحتوں کے متعلق شاہ صاحبؒ کے کلام کا خلاصہ یہ ہے کہ حج کی شروعیت کے تین بڑے مقاصد ہیں۔

۱۔ بیت اللہ جو شعائر اللہ میں سے ہے' کی تعظیم کرنا

۲۔ دوسری ملت والوں کی طرح مسلمانوں کے سالانہ ایک بڑے اجتماع کا قیام کہ جس سے بحیثیت ملت ان کے شان وشوکت کا اظہار ہو۔

۳۔ نبی کریم ﷺ کی بعثت چونکہ ملت حنفیت پر ہوئی تھی اس لئے حضرت ابراہیم اور حضرت اسمٰعیل علیہما السلام کے طریقے کی موافقت۔[3]

حج کے ان مقاصد کی نشاندہی کرنے کے بعد شاہ صاحب نے تمام مناسک حج کے احکامات کے اسرار بیان کئے ہیں جن میں لباسِ احرام' دوران احرام کے محرمات' تعیّن میقات' قیام عرفات' سعی' طواف اور رمئ جمار قابل ذکر ہیں۔ شاہ صاحبؒ نے ان مناسک کے احکامات کی توضیح اس طرح کی ہے کہ انہیں حج کے مذکورہ بالا اہم بنیادی مقاصد کے حصول کا مفید طریقہ ثابت کیا ہے۔

---

(۱)۔ ایضاً ص : ۱۲۸

(۲) ,, ص : ا

(۳) ,, ص : ا

فصل پنجم

اسرار شریعت

شاہ صاحبؒ نے اسلامی حدود اور دیگر احکام کے اسرار و حکم پر جامع اور مربوط انداز میں بحث کی ہے۔ صفحات ذیل ہیں بعض اہم اسلامی احکام کے متعلق شاہ صاحبؒ کی توضیحات کا خلاصہ پیش کیا جاتا ہے۔

حدود کے اسرار

شاہ صاحبؒ نے بعض سنگین جرائم کی روک تھام کے سلسلے میں اسلامی حدود کی ضرورت وافادیت پر روشنی ڈالی ہے اور انسانوں کے مابین مظالم کی روک تھام کو انبیا کی بعثت کا ایک مقصد بتایا ہے۔ (۱) حدود کی ضرورت واہمیت کے متعلق لکھتے ہیں۔

اعلم ان من المعاصیی ماشرع اللّٰہ فیه الحد، وذلک کل معصیة جمعت وجوها" من المفسدة، بأن کانت فساداً فی الارض واقتضابا" علی طما نینة المسلمین، وکانت لهاداعیة فی نفوس بنی آدم لاتزال تهیج فیها، ولها ضراوة ولا یستطیعون الاقلاع منها بعد ان اشربت قلوبهم بها، وکان فیه ضرر لا یستطیع المظلوم دفعه عن نفسه فی کثیر من الأحیان وکان کثیر الوقوع فیما بین الناس، فمثل هذه المعاصی لایکفی فیها الترهیب بعذاب الآخرة بل لابدّمن اقامة

---

(۱) شاہ ولی اللہ (حجۃ اللہ البالغۃ) الجزء الثانی ص : ۴۲۱

ملامـة شديدة عليها و ايلام ليكون بين اعينهم ذلك فيرد عهم عما يريدونه۔[1]

ترجمہ : ”جاننا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے بعض گناہوں میں حد مقرر کی ہے۔ وہ ایسے گناہ ہیں جن میں فساد کی کئی صورتیں پائی جاتی ہیں۔ جیسے ملک میں فساد اور لوگوں کے سکون کو ختم کرنا۔ ایسے فساد بپا کرنے کے لئے لوگوں کے نفوس میں پُرہیجان داعیہ اور عادت ہوتی ہے۔ ان کے دل ان میں رچ بس جانے کے بعد اس سے باز رہنا ان کی کسی طاقت میں نہیں ہوتا۔ اور ان میں ایسا ضرر ہوتا ہے جسے دور کرنے میں مظلوم بسا اوقات بے بس ہوتا ہے اور یہ لوگوں کے درمیان اکثر ہوتا رہتا ہے۔ اس قسم کے معاصی میں صرف آخرت کا ڈرانا کافی نہیں ہوتا ایسے گناہوں پر لوگوں کے سامنے سخت ملامت اور اذیت پہنچانا ناگزیر ہے تاکہ وہ گناہوں کے ارادے سے باز رہیں“۔

شاہ صاحبؒ نے پہلے پہل ان معاصی کی خرابیوں اور انسان کی انفرادی اور اجتماعی زندگی میں ان کے مہلک اثرات کی وضاحت کی ہے جن پر حد مقرر کی گئی ہیں تاکہ ان حدود کی اہمیت زیادہ واضح اور ذہن نشین ہو جائے۔

قتل کی خباثت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

”قتل خواہش غضب میں نفس کی اطاعت ہے۔ لوگوں کے درمیان فساد پھیلانے کا بڑا ذریعہ اور خلق اللہ کی تغیر ہے اور نبی نوع انسان کی نسل پھیلانے کے سلسلے میں منشائے الٰہی کی مخالفت ہے۔[2]

پھر سزائے موت کی ضرورت واہمیت کے متعلق لکھتے ہیں

”قتل اس مصلحت کلیہ کے سبب سے درست ہوتا ہے۔ جو بغیر قتل کے حاصل نہیں ہوتی اور اس

---

(۱) - ایضاً ص : ۲۲۱

(۲) - ایضاً ص : ۲۰۳

مصلحت کا ترک کرنا قتل سے بھی زیادہ برائی کا سبب بنتا ہے۔ (۱)

زنا کی برائی اور اس کے ارتکاب پر مقرر شرعی حد کی ضرورت پر ان الفاظ میں روشنی ڈالی ہے۔

"زنا عورتوں کے حسن وجمال کی طرف رغبت وحرص کی خواہش دلاتا ہے اور اس کے اہل کے لئے اس میں نہایت درجہ کی عار ہے اور موطوۃ پر کئی آدمیوں کے جمع ہونے سے جبلت انسانی کی تغیر ہے جس کے سبب ان کے درمیان کشت وخون اور فساد کا خدشہ لاحق رہتا ہے اگر حد مشروع نہ ہوتی تو اس سے روکنا ناممکن تھا۔ (۲)

قذف کی حد کی مشروعیت کے بارے میں لکھتے ہیں:

"قذف چونکہ مقذوف کے لئے سخت اذیت کا باعث ہوتا ہے۔ جس کا وہ قتل یا مارپیٹ سے دفع نہیں کر سکتا۔ اگر وہ قتل کرے تو خود بھی مارا جائے اور اگر مار پیٹ کرے تو خود بھی مار پیٹ کھائے۔ اس لئے اس پر سخت سزا ضروری ہے۔ (۳)

شاہ صاحبؒ کے نزدیک قذف کے لئے اسی (۸۰) کوڑوں کی حد معقول' مناسب ہے۔ اس لئے کہ زنا سے اس کی معصیت کم ہے۔ ایک گناہ کا مشہور کرنا اس کے کرنے کے مترادف تو نہیں اس کی سزا حد زنا سے ایک ظاہری مقدار میں کم مقرر کی گئی یعنی بیس (۲۰) کوڑوں سے جو عدد سو کا پانچواں حصہ ہے (۴)

شاہ صاحب کی رائے ہے کہ مختلف جرائم کے اثرات ونقصانات اور مجرموں کی جارحیتوں کی نوعیت کے اعتبار سے ہلکی اور بھاری سزائیں مقرر کی گئیں جیسے محصن وغیر محصن زانیوں کی سزاؤں میں فرق' چوری اور اور ڈکیتی کی سزاؤں میں فرق آزاد اور غلام کی سزاؤں میں فرق وغیرہ۔

چوری اور ڈکیتی کی سزاؤں میں فرق کی مصلحت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

---

(۱) ایضاً ص: ۴۱۰

(۲) ایضاً ص: ۴۲۱ - ۴۲۲

(۳) ایضاً " ۴۲۲

(۴) ایضاً " ۴۳۱ - ۴۳۲

"چوری کی حد سے ڈکیتی کی حد سخت تر مقرر کرنے کا سبب یہ ہے کہ انسانوں کے بعض گروہوں میں خصلت سبعی کا غلبہ ہوتا ہے اور ان لوگوں میں سخت جرأت قتال اور اجتماع کا مادہ پایا جاتا ہے جو قتل کرنے اور غارتگری میں بیباک ہوتے ہیں۔ اور اس کا فساد چوری سے بڑھ کر ہے کیونکہ چوروں سے لوگ اپنے مال کو محفوظ رکھ سکتے ہیں مگر راہ چلتے راہزنوں سے محفوظ نہیں رکھ سکتے اور نہ حکام اور مسلمانوں کی جماعت بروقت اور موقع پر باسانی ان کی مدد کو پہنچ سکتی ہے۔ رہزنوں کی رہزنی کا داعیہ زیادہ سخت اور قوی ہوتا ہے بڑا دلیر اور قوی الجثہ انسان ہی رہزن بن سکتا ہے نیز رہزنوں میں چوروں کے برعکس باہم اجتماع اور اتفاق ہوتا ہے۔ اس لئے ضروری ہوا کہ رہزنوں کی سزا چوروں کی سزا سے زیادہ مقرر کی جائے۔"(۱)

اسلامی سزاؤں کے بارے میں ایک اہم نکتہ شاہ صاحبؒ نے یہ بیان کیا ہے کہ یہ سزائیں مکمل اور مؤثر سزائیں ہیں کیونکہ سزائیں دو قسم کی ہوتی ہیں۔

۱۔ بدنی سزا

۲۔ نفسیاتی سزا (۲)

اکثر اسلامی سزاؤں میں بدنی سزاؤں کے ساتھ مناسب نفسیاتی سزا بھی شامل کی گئی ہے

مثلاً" غیر محصن کی سزا سو کوڑوں کے ساتھ جلاوطن کرنا۔ (۳)

اس میں پہلی سزا بدنی اور جب کہ دوسری سزا نفسیاتی ہے

قذف میں اسی کوڑوں کے ساتھ شہادت قبول نہ کیا جانا (۴)

---

(۱) ایضاً ص : ۴۲۶ - ۴۲۷

(۲) ایضاً ص : ۴۲۳

(۳) ایضاً ص : ۴۲۶

(۴) ایضاً ص : ۴۳۲

چوری کی سزا میں ہاتھ کاٹنے کے ساتھ ہاتھ کو گلے میں لٹکانا[۱]

قصاص، رجم اور قطع ید کی سزاؤں کے بارے میں شاہ صاحبؒ نے یہ تصریح بھی کی ہے کہ یہ سزائیں شرائع سماویہ اور تمام انبیا کی شریعتوں میں متوارث چلی آرہی تھیں اسلام میں بھی انہیں باقی رکھا گیا۔[۲]

معاشرتی مسائل

معاشرتی مسائل میں شاہ صاحبؒ کے اہم موضوعات بحث نکاح کی ضرورت واہمیت، نکاح کے متعلقات، ولی کا تقرر، مہر کفو کی رعایت طلاق، عدت اور محرمات کے اسرار و حکم زیادہ قابل ذکر ہیں۔

شاہ صاحبؒ نے انسان میں عورت کی خواہش کو اس کی فطری جبلت اور نکاح کو اس کا بہترین حل قرار دیا ہے، جس سے انسان کی عصمت کا تحفظ ہو جاتا ہے[۳] پھر نکاح کے لئے موزون رشتے کے انتخاب کے متعلق آنحضرتؐ کے ارشادات کی توضیح فرمائی ہے۔ جن پر عمل پیرا ہونے سے دینی اور دینوی لحاظ سے ایک مثالی خاندان وجود میں آسکتا ہے۔

نکاح میں ولی کی اہمیت کے بارے میں شاہ صاحبؒ نے تصریح فرمائی کہ اس کی ضرورت اس لئے ہے کہ عورتیں ناقص العقل ہوتی ہیں اس لئے وہ نکاح کے مصالح کو ولی کے بغیر مد نظر نہیں رکھ سکتیں جو بہت سے مفسدات کا باعث بن سکتا ہے۔ ولی کے تقرر سے عورتوں پر مردوں کے قوّامیت کا اظہار اور ساتھ ساتھ نکاح کی بہتر شہرت ہو سکتی ہے۔[۴]

نکاح میں مہر کی ضرورت کے متعلق لکھتے ہیں:

"پھر یہ بات بھی متعین ہوئی کہ مہر مقرر کیا جائے تاکہ خاوند کو اس نظم کے توڑنے میں مال کے

(۱) ایضاً ص: ۴۳۵
(۲) " ص: ۴۲۳
~~(۳)~~ " ص: ۴۳۶ - ۴۳۷
(۴) ایضاً ص: ۳۲۸

نقصان کا خطرہ لگا رہے اور بلا کسی ضرورت کے، جس کے بغیر چارہ نہ ہو، اس اقدام کی جرأت نہ کر سکے۔ پس مہر مقرر کرنے میں ایک قسم کی پائیداری ہے۔ نیز مال کے بغیر نکاح کی عظمت ظاہر نہیں ہوتی۔[1]

محرمات کی نشاندہی میں یہ مصلحت ہے کہ بوقت ضرورت تنہائی میں باہم ارتباط کی صورت میں ایک دوسرے سے رغبت اور طمع کو ختم کر دیا جائے۔[2] طلاق کی اجازت ایک دوسرے کی ضروریات کا خیال نہ رکھنے اور خیانت کے احتمال کے پیش نظر بحالت مجبوری دی گئی۔[3]

تین طلاق کے اسرار میں لکھتے ہیں۔

طلاق کو صرف تین کے اندر محدود کرنے میں یہ راز ہے کہ وہ کثرت کی شروع حد ہے۔ اس میں فکر کرنا اور سمجھنا ضروری ہے۔ بہت سے لوگوں کو اس میں مصلحت معلوم نہیں ہوتی جب تک وہ عورت کے ہلک سے جانے کا مزا چکھ نہیں لیتے اور تجربہ کے لئے اصل ایک مرتبہ ایک چیز کا عمل میں لانا ہے اور دو سے تجربے کی تکمیل ہوتی ہے اور تیسری طلاق کے بعد نکاح شرط کرنا تحدید اور انتہا کے معنی ثابت کرنے کے لئے ہے۔[4]

مذکورہ بالا مباحث کے علاوہ شاہ صاحبؒ نے انسانی زندگی کے دوسرے شعبوں سے متعلق بھی اسلامی احکامات کے مصالح کی توضیح فرمائی ہے۔ جن میں احکام بیع و تجارت، احکام پردہ، احکام حِلّت و حرمت کھانے، پینے اور ملاقات کے آداب قابل ذکر ہیں۔

خلاصۂ بحث

شریعت کے اسرار پر شاہ صاحبؒ کی بحث سے مندرجہ ذیل نتائج مستنبط ہوتے ہیں۔

---

(۱) ایضاً ص : ۳۴۲
(۲) ایضاً ص : ۳۴۹
(۳) ایضاً ص : ۳۶۷
(۴) ایضاً ص : ۳۶۶

۱۔ آپؒ کے نزدیک شریعت کے جملہ احکام عقائد عبادات ' معاملات اور اخلاقیات کے کلیات و جزئیات میں اہم مصالح موجود ہیں۔

۲۔ اسلام ایک مکمل دستور حیات ہے۔ زندگی کے تمام شعبوں سے متعلق اس کی تعلیمات باہم مربوط ہیں۔

۳۔ یہ ایک فطری نظام حیات ہے جس میں نہ صرف انفرادی طور پر انسان کی جسمانی وروحانی زندگی کی اصلاح وفلاح کا لحاظ رکھا گیا ہے۔ بلکہ اجتماعی طور پر بھی یہ معاشرے کی خوشحالی ' امن وسلامتی فلاح وبہبود اور مثبت سمت میں ارتقا کی ضمانت فراہم کرتا ہے۔

۴۔ شاہ صاحبؒ کا انداز استدلال نہایت قوی ہے۔ آپؒ نے بیک وقت نقل، عقل کشف، انسانی مشاہدات ومسلّمات سے استدلال کا اہتمام کیا ہے۔ انسانی فطرت کا تجزیہ اس پر مستزاد ہے۔

فصل ششم

تصوّف

شاہ صاحبؒ کی ہمہ جہتی شخصیت تصوف کے میدان میں بھی گنجینہ ، علم وعرفان ثابت ہوئی اسلامی علوم وفنون کے اس اہم شعبے میں آپؒ کے افکار ونظریات نہایت وقیع ہیں۔ آپؒ نہ صرف عملاً" تصوف کے مشاغل سے وابستہ تھے بلکہ اس کے علمی مرتبے پر فائز بھی تھے۔ آپؒ نے تصوف کے متداول مباحث کی عمدہ توضیح فرمائی اس میں نئے افکار وتصورات کا اضافہ کیا مروّجہ غیر اسلامی رسوم کی اصلاح کی۔تصوف میں آپؒ کے کلامی مباحث میں ترکیبی عنصر زیادہ واضح اور نمایاں ہے جس میں آپؒ نے شریعت وطریقت،[1] مسالک صوفیا اور وحدت الوجود وحدت الشہود میں تطبیق دینے کی ممکنہ صورت پیدا کر دی

مسالک صوفیا میں تطبیق

تصوف کے چار سلسلے میں چل رہے تھے۔ جن کے اشغال وتصورات ایک دوسرے سے مختلف تھے۔ شاہ صاحبؒ نے تصوف کی تاریخ کا محققانہ جائزہ لے کر ان کے باہمی اختلافات کے اسباب و عوامل کا کھوج لگایا جس سے ان کے درمیان موجود غلط فہمیاں دور ہو گئیں۔ آپؒ نے تصوف کے ارتقائی عمل کو مندرجہ ذیل چار مراحل میں تقسیم کیا۔

---

(1) تفصیل آگے آ رہی ہے

دور اول

پہلا دور عہد نبی کریم ﷺ صحابہؓ اور ان کے بعد چند صدیوں تک محیط ہے اس دور میں طاعات عبادات ' نماز روزہ' زکوۃ حج' ذکر' تلاوت اور جہاد کی بجا آوری سے قلبی اور روحانی تسکین کا کام لیا جاتا تھا۔ بے ہوش ہونا' وجد میں آنا اور کپڑے پھاڑنا اس دور کے معمولات نہیں تھے۔ یہ دور دنیا اور آخرت کا ایک حسین امتزاج تھا بہشت کی آرزو اور دوزخ کا خوف اذہان پر غالب رہتا خوارق' کشف وکرامات کا ظہور کم ہی ہوتا۔

دور دوم

دوسرا دور حضرت جنیدؒ کے زمانے یا اس سے کچھ قبل شروع ہوا اس دور میں خواص نے بڑی ریاضتیں کیں دنیا سے قطع تعلق کرکے ذکر وفکر میں لگ کر تعلق باللہ کی کیفیت میں لگ گئے وہ مراقبے کرتے' ان سے تجلی استتار وانس وحشت کے احوال وکوائف ظاہر ہوتے۔ ان احوال کو نکات و اشارات میں بیان کرتے سماع سننے' بے ہوش ہونے کپڑے پھاڑنے اور رقصوں کا رواج شروع ہوا۔ تاہم اس دور میں توجہ اپنی کمال کو نہیں پہنچی۔

دور سوم

یہ دور شیخ ابوسعید بن ابی الخیر اور شیخ ابوالحسن خرقانی کے عہد سے شروع ہوتا ہے اس دور میں خواص نے باطنی احوال وکیفیات کو اپنا نصب العین بنایا اور خواص الخاص نے احوال واعمال کی کیفیت سے گذر کر جذب تک رسائی حاصل کرلی۔ ان کے سامنے توجہ کی نسبت کا راستہ کھل گیا۔ لوگ اس ذات میں گم ہو گئے جو اشیاء کی قیوم ہے وظائف مجاہدوں اور ریاضتوں کی ضرورت نہ پڑی تاہم اس دور میں توحید حضوری اور توحید شہودی میں امتیاز کائنات اور وجودالٰہی کے تعلق اور فنا وبقا کے حقائق

کو سمجھنے کی کوشش نہیں کی گئی۔

دور چہارم

یہ دور شیخ محی الدین ابن عربی اور اس سے کچھ قبل کا ہے اس دور میں اہل کمال بزرگوں کے ذہنوں میں مزید وسعت پیدا ہوئی وہ حقائق تصوف کی بحث ' واجب الوجود ذات سے ظہور کائنات اور ظہور وجود کے مدارج دریافت کئے۔

تصوف کے مذکورہ بالا ارتقائی مراحل کی نشاندہی کے بعد شاہ صاحبؒ یہ رہنمائی فرماتے ہیں کہ شکوک وشبہات سے بچنے کے لئے ہر دور کے تغیرات کو اس دور کے حالات کے تناظر میں دیکھنے کی ضرورت ہے۔

وحدت الوجود اور وحدت الشہود میں محاکمہ

تصوف کے مباحث میں شاہ صاحبؒ کے کلام کا ایک اہم حصہ تصوف کے دو تصورات وحدت الوجود اور وحدت الشہود میں تطبیق دینے سے متعلق ہے آپؒ کے عہد میں ان دونوں تصورات میں معارضانہ کشمکش جاری تھی آپؒ نے دو طریقوں سے ان میں تطبیق کی صورت پیدا کر دی۔

۱۔ عمومی توضیح کے ذریعے

شاہ صاحب نے ان دونوں تصورات کی توضیح اس طرح فرمائی کہ ان کے درمیان شدید اختلافات کا رجحان بڑی حد تک کم ہونے کا امکان پیدا ہو گیا آپؒ نے انہیں صرف الفاظ اور ظاہر کا اختلاف قرار دیا جبکہ حقیقتاً دونوں ایک ہی ہیں لکھتے ہیں:۔

"وحدت الوجود اور وحدت الشہود دو لفظ ہیں جن کا اطلاق دو معانی پر ہوتا ہے کبھی یہ سیر الی اللہ

کے ضمن میں استعمال ہوتے ہیں۔ مثلاً" کہا جاتا ہے کہ یہ سالک "وحدت الوجود" کے مقام پر فائز ہے اور "وحدت الشہود" کے مقام پر۔ تو یہاں وحدت الوجود کے معنی یہ ہیں کہ یہ شخص حقیقت جامعہ کی تلاش و عرفان میں گم ہے جہاں پر اس سے تفرقہ و تمیز کے جملہ احکام ساقط ہو جاتے ہیں کہ جن سے خیر و شر کا امتیاز ہوتا ہے جن پر عقل و شرع کا مدار ہے اور شرع و عقل جن کی پوری پوری نشاندہی کرتی ہے۔ سالک یہاں کچھ عرصہ ٹھہرتا ہے پھر اللہ کی دستگیری اسے وہاں سے لے آتی ہے۔

وحدت الشہود کا مقام وہ ہے جہاں جمع و تفرقہ کے احکام باہم مل جاتے ہیں۔ سالک یہاں پہنچ کر جانتا ہے کہ اشیاء میں اگر ایک حیثیت سے وحدت ہے تو وہ من وجہ ہے اور کثرت جو اس کے متبائن ہے وہ بھی من وجہ ہے، معرفت کا یہ مقام پہلے کی نسبت زیادہ اونچا ہے"۔ (۱)

۴۔ روحانی مکاشفہ کے ذریعے

شاہ صاحب نے اپنے ایک روحانی مکاشفہ کے ذریعے بھی ان اختلافی تصورات کا حل پیش کیا آپؒ کے قیام حرمین کے دوران جو مکاشفات ظاہر ہوئے ان میں پہلا مکاشفہ اسی کے متعلق تھا جس میں آپؒ نے وحدت الوجود اور وحدت الشہود والوں کو مجسم حالت میں دیکھا اول الذکر کے دلوں پر ایک قسم کی ندامت، ان کے چہرے سیاہ اور ان پر خاک اڑ رہی تھی۔ جب کہ موخر الذکر فلسفے کی نمائندگی کرنے والوں کے چہروں پر تازگی و رعنائی کے آثار نمایاں تھے ان دونوں کے درمیان اختلافات تنازعہ کی صورت اختیار کر گئے تو شاہ صاحب کو ان کے مابین فیصلہ کرنے کے لئے ثالث بنایا گیا شاہ صاحب نے ان کے دلائل سننے کے بعد وحدت الوجود کو اگرچہ علوم حقہ قرار دیا مگر یہ ان کے ذوق وصلاحیت سے

---

(۱) شاہ ولی اللہ (التفہیمات الہیہ) مجلس العلمی ڈابھیل (سورت) ۱۳۵۵ھ حصہ دوم ص: ۲۱۸-۲۱۹

بالاتر تھا اور وہ اس کے تقاضوں کو کماحقہ پورا نہ کرپائے لہٰذا انہیں شرمندگی اٹھانی پڑی اور وحدت الشہود والے اپنے ذوق اور استعداد کے مطابق علم حاصل کرپائے اور ان کے ذریعے اپنے نفس کی اصلاح وتہذیب میں کامیاب رہے جو تروتازگی کی شکل میں ان کے چہروں سے نمایاں تھی[1] مذکورہ بالا مکاشفے میں شاہ صاحب اگرچہ وحدت الشہود کو وحدت الوجود پر ترجیح دیتے نظر آتے ہیں مگر وحدت الوجود کی بھی تردید نہیں کرتے۔ اسے علوم حقہ میں سے قرار دیتے ہیں۔

تصوف کے شعبے میں آپؒ کا ایک اور قابل ذکر کام ان بدعات اور دوسری غیر اسلامی رسومات کی اصلاح ہے جو ہندوؤں سے مسلمانوں کے میل جول کی وجہ سے صوفیا اور مشائخ میں جاری ہو گئی تھیں۔ نام نہاد پیرومشائخ اور ان کے جھوٹے کرامات کا چرچا تھا۔ شاہ صاحب نے ایسے پیروں کے ہاتھ بیعت کرنے کی سختی سے مخالفت کی۔ انہیں دین کے لٹیروں سے تشبیہ[2] دی سوائے ان صوفیاء کے جن کی تربیت کی اساس قرآن وسنت ہے۔

---

(۱) شاہ ولی اللہ (فیوض الحرمین) اردو ترجمہ پروفیسر محمد سرور، دارالاشاعت کراچی ۱۴۱۴ھ ص: ۵۳-۵۵

(۲) مصنف مذکور (التفہیمات الٰہیہ) حصہ اول ص: ۲۱۴

فصل ہفتم

خلافت

خلافت مختلف مکاتب فکر کے درمیان ایک اہم اور نازک کلامی مسئلہ رہا ہے۔ تاریخ شاہد ہے کہ اس مسئلے کی اساس پر اسلام میں دو مستقل متحارب گروہ (شیعہ وسنی) پیدا ہوئے جن کے مابین یہ اختلافی مسئلہ محض کلام کی حد تک محدود نہیں رہا بلکہ اکثر تنازعہ اور تصادم تک کی نوبت آئی خونین معرکہ آرائیاں بھی ہوئیں۔ خصوصاً برصغیر میں علم کلام کا مرکزی موضوع یہی مسئلہ رہا ہے۔ اس کے عمومی مباحث میں خلافت کی شرعی حیثیت، استحقاق خلافت کے لوازم، انعقاد خلافت کے طریقے اور فضیلت شیخینؓ یا افضلیت علیؓ زیادہ معروف اور قابل ذکر ہیں۔

شاہ صاحبؒ کے کلامی مباحث میں خلافت کو نمایاں مقام حاصل ہے انہوں نے خلافت کے تقریباً تمام توجہ طلب پہلوؤں پر مفید اور مدلّل انداز میں بحث کی اور اس سلسلے میں اسلامی نقطہ نظر واضح کردیا۔

خلافت کی تعریف

شاہ صاحبؒ نے خلافت کی یوں تعریف کی ہے

خلافت وہ ریاست عامہ ہے جو (بذریعہ) علوم دینیہ کے زندہ رکھنے اور (بذریعہ)ارکان اسلام کے قائم کرنے اور (بذریعہ) جہاد اور متعلقات جہاد کے قائم رکھنے جیسے لشکروں کا مرتب کرنا مجاہدین کو وظائف دینا مال غنیمت کو ان میں تقسیم کرنا اور (بذریعہ) عہدہ قضا کے فرائض انجام دینے اور حدود

کے قائم کرنے اور مظالم کے دور کرنے اور لوگوں کو اچھے کاموں کا حکم دینے برے کاموں سے منع کرنے کے بحیثیت نائب نبی بالفعل ہو۔[1]

خلافت کی جامع تعریف کرنے کے بعد شاہ صاحبؒ نے اسے دو قسموں میں تقسیم کیا ہے

۱۔ خلافت خاصّہ

شاہ صاحبؒ کے نزدیک خلافت خاصہ وہ مخصوص موعودہ خلافت ہے جو قرآن وسنت کی تعلیمات کے عین مطابق وقوع پذیر ہوئی۔ جسے خلافۃعلی منہاج النبوۃ' یا "خلفائے راشدین" کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔[2]

۲۔ خلافت عامّہ

اس سے مراد عام خلافت ہے۔[3]

خلافت کی شرعی حیثیت

شاہ صاحبؒ کے بقول خلافت کا انعقاد فرض کفایہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جہاد اور فصلِ خصومات' علوم دین کے زندہ رکھنے' ارکان اسلام کے قیام اور بلاد اسلام سے کفر کے حملے دور کرنے کو فرض کفایہ قرار دیا ہے اور یہ باتیں بغیر امام کے مقرر کئے ہوئے صورت پذیر نہیں ہو سکتیں اور فرض کفایہ جس چیز پر موقوف ہو وہ بھی فرض کفایہ ہوتی ہے۔[4]

شرائط خلیفہ

شاہ صاحبؒ نے خلافت کے لئے مندرجہ ذیل شرائط کی نشاندہی کی ہے

---

(۱) شاہ ولی اللہ (ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء) مترجم از عبدالشکور، کراچی، س ن ج ۔ ۱ ص : ۱۲

(۲) ایضاً ص : ۳۶

(۳) ایضاً ص : ۱۳

(۴) ایضاً ص : ۱۴

۱۔ مسلمان ہونا

۲۔ عاقل ہونا

۳۔ مرد ہونا

۴۔ آزاد ہونا

۵۔ متکلم سمیع وبصیر ہو

۶۔ صاحب عدل یعنی کبیرہ گناہوں سے بچنے والا، صغائر پر اصرار نہ کرنے والا ہو

۷۔ شجاع ہو

۸۔ مجتہد ہو

۹۔ قریشی ہو (۱)

انعقاد خلافت کے طریقے

شاہ صاحبؒ نے خلفائے راشدین کے حوالے سے انعقاد خلافت کے مندرجہ ذیل چار طریقوں کی نشاندہی کی ہے

۱۔ اہل حل والعقد، علماء، رؤسا اور لشکروں کے افسروں اور مسلمانوں کے عام خیر خواہوں کی بیعت کے ذریعے جیسے حضرت ابوبکر صدیقؓ کی خلافت عمل میں آئی۔

۲۔ خلیفۂ وقت کی وصیت کے ذریعے جیسا کہ حضرت عمر فاروقؓ کی خلافت

۳۔ قوم کے اندر خاص اشخاص کے مشوروں کے ذریعے جیسے حضرت عثمانؓ و حضرت علیؓ کی خلافت

۴۔ استیلاء اور جبر کے ذریعے جیسا کہ ان کے بعد خلافت کا سلسلہ جاری ہوا (۲) انعقاد خلافت کے

(۱)۔ ایضاً ص: ۱۸-۲۲

(۲)۔ ایضاً ص: ۲۳

مندرجہ بالا طریقوں کی توضیح تعامل صحابہؓ سے استنباط واستدلال کی بہترین مثال بھی ہے اور انعقاد خلافت کے اسلامی طریقوں کی عمدہ توضیح بھی۔

قرآن اور حدیث سے خلفائے راشدین کی خلافت کی حقانیت کا اثبات

خلافت کے ضمن میں شاہ صاحبؒ کے کلام کا شاہکار اور اہم ترین حصہ خلفائے راشدین کی خلافت کو قرآن اور حدیث کی روشنی میں برحق ثابت کرنا ہے۔ اس میں شاہ صاحبؒ کا استنباط واستدلال اور دقّت نظر اپنے عروج پر نظر آتا ہے آپؒ نے قرآن وسنت کے اشاروں، پیش گوئیوں اور وعدوں نیز خلفائے راشدین کے عہد میں انجام پانے والی دینی سرگرمیوں کو باہم اس طرح مربوط کیا ہے گویا کہ اس عہد کی فتوحات ، غلبہ دین، مذہبی منصوبہ بندیاں (کتابت وتدوین قرآنِ مجید) سب کچھ اسی خاکے ترتیب اور وعدے کے عین مطابق عمل میں آئیں جن کا نقشہ قرآن مجید میں کھینچا گیا ہے اس سلسلے میں شاہ صاحبؒ نے قرآن مجید کی گیارہ آیتوں کا حوالہ دیا ہے جن کی توضیح وتفسیر میں شاہ صاحبؒ کا طرزِ بیان ان کی قرآن فہمی اور تبحر علمی کی بہترین عکاسی کرتا ہے۔ جس کی ایک مثال یہ ہے۔

سورۂ فتح میں اصحاب رسول ﷺ کے اوصاف بیان کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔

"کزرع اخرج شطأہٗ فاٰزرہٗ فاستغلظ فاستوی علٰی سوقہٖ"(1)۔

ترجمہ : "اس کھیتی کی طرح جس نے اپنا انکھوا نکالا پھر اسے مضبوط کیا پھر موٹا ہوا اور پھر اپنی نال پر کھڑی ہو گئی"۔

اس آیت کریمہ کے ضمن میں شاہ صاحبؒ ایک لطیف نکتہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

"جس طرح اس آیت کریمہ میں کھیتی کی نشوونما اور ارتقا کے چار اہم مدراج بیان ہوئے ہیں

---

(1) (الفتح) ۴۸ : ۲۹

اس طرح اسلام کے ارتقا کے بھی چار اہم مدراج رہے جو خلافت عثمانؓ تک پورے ہوئے پہلی حالت نبی کریم ﷺ کی بعثت ہے جب اہل مکہ مشرک تھے۔ آپ ﷺ کی بعثت سے اسلام نیا پیدا ہوا۔ جسے "اخرج شطأہ" انکھوا نکالا" کہا گیا دوسری حالت مشرکین سے نجات پاکر ہجرت کر کے جہاد وغزوات کے بعد مکہ کا فتح ہونا ہے اس سے فازرہٗ کا درجہ حاصل ہوا۔ تیسری حالت وہ ہے جب کہ شیخینؓ نے کسریٰ و قیصر سے جہاد کیا یہ دونوں سلطنتیں شوکت اسلام سے پامال ہو گئیں تو فاستغلظ "موٹا ہوا" کا درجہ حاصل ہوا۔ چوتھی حالت وہ تھی جب ان سلطنتوں کے باجگذار بھی مطیع ہو گئے مفتوح علاقوں میں مساجد کی تعمیر قاضیوں کی تقرری اور حدیث کے راوی اور فقہ کے مفتی سکونت پذیر ہو گئے تو "فاستوی علی سوقہ" اپنی نال پر کھڑی ہو گئی" کا درجہ حاصل ہو گیا۔[1]

اس ضمن میں شاہ صاحبؒ نے بہت سی احادیث سے بھی استنباط کیا ہے جن میں خلفائے اربعہ کی خلافت کے انعقاد' ان کی ترتیب خلافت اور بعض خلفا کے بارے میں پیش گوئیاں وارد ہوئی ہیں جیسا کہ حضرت عثمانؓ کی شہادت وغیرہ' نیز آپ ﷺ نے کل مدت خلافت راشدہ کا تعین بھی متعدد احادیث کے حوالے سے کیا ہے۔

فضیلت شیخینؓ

فضیلت شیخینؓ سنی شیعہ مکاتب فکر کے درمیان خلافت کے مسئلے کا ایک نازک اور پیچیدہ نزاعی پہلو ہے۔ شیعہ مکتب فکر کی طرف سے حضرت علیؓ کے آل رسول ہونے' آپؓ کی دینی خدمات اور احادیث میں آپؓ کے حق میں واردشدہ مناقب کی بنا پر انہیں رسول اللہ کے بعد امت کا افضل ترین اور نیابت رسول ﷺ کا واحد مستحق قرار دیا جاتا ہے۔ جب کہ اہل سنت شیخینؓ کو ان کی قربانیوں

(۱) مصنف مذکور (ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء) مترجم ج ۱ ص : ۱۶۰-۱۶۱

دینی خدمات ان کے حق میں خلافت کے انعقاد اور ان کے عہد خلافت کی شاندار دینی خدمات کی وجہ سے انہیں افضل ترین اور ان کی خلافت کو برحق سمجھتے ہیں۔[1]

شاہ صاحبؒ نے اس مسئلے پر بھی قلم اٹھایا اہل سنت کے ترجمان ہونے کے باوجود آپؒ کا رویہ معتدل محتاط اور دونوں مکاتب فکر کے درمیان مصالحانہ انداز فکر پر مبنی ہے۔ آپؒ نے شیخینؓ اور حضرت علیؓ کے مراتب کی درست نشاندہی کی ایک طرف حضرت علیؓ کے مناقب بلا کم وکاست بیان کئے ولایت میں آپؓ کے اعلیٰ مقام کا اعتراف کیا یہاں تک کہہ دیا کہ وہ (شاہ صاحبؒ) خود اول اول حضرت علیؓ کی فضیلت کی طرف میلان ورجحان رکھتے تھے[2] دوسری طرف شیخینؓ کے ان امتیازی اوصاف اور صلاحیتوں کی بھی وضاحت کردی جن میں وہ حضرت علیؓ پر فوقیت رکھتے تھے ان کے نزدیک علم کی وہ قسم جو حضرات شیخینؓ کے ساتھ مخصوص ہے خلافت ونبوت سے زیادہ تعلق رکھتی ہے بہ نسبت اس کے جو حضرت علیؓ کے پاس ہے[3] کشف کے ذریعے بھی انہیں یہ رہنمائی ملی کہ فضیلت کلی کا دار مدار امور نبوت پر ہے جس سے حضرات شیخینؓ نسبتاً زیادہ وابستہ رہے ہیں۔ اور ولایت کہ جس میں حضرت علیؓ ممتاز ہیں ایک جزئی فضیلت کی چیز ہے جو امور نبوت سے کم درجہ کی چیز ہے اسی بنا پر انہیں روحانی مکاشفے میں شیخینؓ کو حضرت علیؓ پر فضیلت دینے کا حکم دیا گیا۔[4]

یہ شاہ صاحبؒ کی باطنی صداقت اور نیک نیتی کا واضح ثبوت ہے کہ آپؒ خود فضیلت علیؓ کی

---

(۱) احمد امین (ظہر الاسلام) قاہرہ، الجزء الرابع، ۱۹۶۱ء، ص: ۱۱۰

(۲) شاہ ولی اللہ، (فیوض الحرمین) اردو ترجمہ از پروفیسر محمد سرور ص: ۲۲۸

(۳) " " (ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء) مترجم از مولانا اشتیاق احمد کراچی س ن، ج ۳، ص: ۱۱۹

(۴) مصنف مذکور (فیوض الحرمین) اردو ترجمہ ص: ۱۸۳ - ۱۸۴ -

طرف طبعی میلان رکھنے کے باوجود کشف سے اس معاملے میں رہنمائی حاصل ہونے پر اس کی پابندی کرتے ہیں کیونکہ کتب حدیث میں شیخینؓ اور حضرت علیؓ دونوں کے مناقب بیان ہوئے ہیں اس لئے ان میں فضیلت کا معیار قائم کرنے اور استحقاق خلافت ثابت کرنے میں اشتباہ ہو سکتا تھا اسی لئے شاہ صاحبؒ نے روحانی مکاشفے کی مدد سے فضیلت شیخینؓ کے حق میں حتمی اور تشفی آمیز دلیل قائم کر دی۔ اس ضمن میں ایک قابل ذکر بات یہ بھی ہے کہ شاہ صاحب نے اپنے ذاتی میلان اور رجحان پر مذہبی وجدان کو ترجیح دی۔ جس میں طالبان حق کے لئے یہ درس موجود ہے کہ وہ دینی امور میں ذاتی میلانات سے بالاتر ہو کر غور و فکر کریں۔ اور محض ذاتی میلانات کو حق شناسی کا معیار نہ سمجھیں۔

شاہ صاحبؒ کے کلام میں خلافت کی بحث معقول اور غلو و تعصب سے پاک ہے اگر اس انداز فکر کو نمونہ عمل بنایا جائے تو اسلام کے ان دو متحارب فرقوں کے درمیان اتحاد قائم نہ بھی ہو تو کم از کم ان میں موجود دیرینہ منافرت، عداوت، کینہ اور بغض کی حدّت میں ضرور بضرور کمی اور نرمی آئے گی۔

فصل ہشتم

عمرانیات

شاہ صاحبؒ نے اپنے کلام میں معاشرے کے ارتقاء اور اسباب ارتقاء کو بھی موضوع بحث بنایا ہے اور اس سلسلے میں نہایت مفید اور رہنما افکار و نظریات پیش کئے جو علم عمرانیات میں مفید اضافہ ہے۔ شاہ صاحبؒ نے معاشرے کو چار ارتقائی منازل میں تقسیم کیا ہے۔ پھر ہر ہر مرحلے کے لوازمات اور خصائص کی نشاندہی بھی کی ہے جن سے کوئی بھی معاشرہ خالی نہیں رہ سکتا۔

معاشرے کے ارتقاء کے عوامل

۱۔ انسان کی رائے کلی

معاشرے کو ارتقائی مراحل سے گزرنے میں انسان کے بعض فطری خصائص اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ یہ خصائص انسان کو دوسرے حیوانوں سے ممتاز کر دیتے ہیں۔ ان میں رائے کلی اور عاقبت اندیشی ہے۔ انسان دوسرے حیوانوں کی طرح محض اپنی طبعی خواہش کی تسکین کے لئے کوئی کام نہیں کرتا، بلکہ عقلی منفعت اور عاقبت اندیشی کو بھی مدنظر رکھتا ہے۔ وہ اخلاق کی شائستگی تہذیب نفس اور خوف آخرت کے جذبے کے تحت کام کرتا ہے۔

۲۔ لطافت ونظافت

انسانی کی دوسری ممتاز خصوصیت لطافت ونظافت ہے وہ اپنی طبعی خواہشات کی سادہ تسکین پر

قانع نہیں ہوتا بلکہ بہتر سے بہتر اور عمدہ سے عمدہ تر کی تلاش میں رہتا ہے۔

۳- ایجاد و تقلید

انسان کی تیسری خصوصیت ایجاد و تقلید کا مادہ ہے جو انسان میں ودیعت ہے انسانوں میں بعض ہوشیار اور زیرک ہوتے ہیں جو روزمرہ کے کاموں میں نئی اور مفید تدابیر اور اختراعات سوچتے رہتے ہیں تو دوسرے ان سے نسبتاً کم عقل لوگ ان تدابیر کی تقلید کرتے رہتے ہیں۔[1] اس طرح معاشرہ ارتقا کی جانب رواں دواں رہتا ہے۔

معاشرے کے ارتقائی مراحل

پہلی منزل

یہ مرحلہ انسانی معاشرے کا سنگ بنیاد ہوتا ہے۔ کوئی انسانی گروہ اس سے بے نیاز نہیں ہو سکتا۔ اس مرحلے میں حیوانی زندگی اور انسانی زندگی میں بہت کم فرق ہوتا ہے۔ انسان کی طبعی ضروریات سادہ ہوتی ہیں۔ ضرورت کی تسکین حسن کے بجائے افادیت پر کی جاتی ہے۔[2]

اس مرحلے کے لوازمات میں زبان کا ہونا کہ جس کے ذریعے انسان اپنے جذبات کا اظہار کر سکے۔ گرمی سردی اور خوفناک جانوروں سے بچنے کے لئے مکان، غذا اور اس کے متعلقات کا شکاری جانوروں کی تسخیر، ان سے دودھ، گوشت اون کا انتفاع اور بار برداری کا کام لینا وغیرہ شامل ہیں۔

اس مرحلے میں اخلاقی نظام کے تحفظ کے لئے ایک آدھ صاحب الرائے سردار کی ضرورت بھی محسوس کی جاتی ہے، نیز ایک مرد کے لئے ایک عورت کا مخصوص ہونا تاکہ توالد و تناسل کا نظام بہتر طور پر قائم ہو۔[3]

---

(۱) شاہ ولی اللہ (حجۃ اللہ البالغہ) جز اول ص: ۱۲۰ - ۱۲۱

(۲) قاضی جاوید (افکار شاہ ولی اللہ) لاہور ۱۹۸۶ء ص: ۱۵۹

(۳) [illegible] (حجۃ اللہ البالغہ) جز اول ص: ۱۲۳، ۱۲۴، البدور البازغہ ص: ۶۳

دوسری منزل

انسان اپنی طبعی خواہشات کی تسکین کے لئے بہتر سے بہتر طریقوں کی تلاش جاری رکھتا ہے۔ یہ تلاش و جستجو اسے ارتقا کے دوسرے مرحلے میں داخل کر دیتی ہے۔ اس مرحلے میں افادیت کے ساتھ حسن کی طرف بھی توجہ دی جاتی ہے۔ انسانی خواہشات کو پورا کرنے کے تمام طریقے اخلاق عالیہ کی کسوٹی پر پرکھے جاتے ہیں اور صرف پسندیدہ طریقوں کو محفوظ کیا جاتا ہے (۱) عمدہ سے عمدہ تر کی تلاش اور شوق علم مل کر مختلف علوم وفنون پیدا کرتے ہیں جن میں یہ قابل ذکر ہیں:۔

۱۔ فن آداب ومعاش

اس فن میں کھانے ' پینے اٹھنے ' پہننے اور چلنے پھرنے کے متعلق ایسے طریقے بتائے جاتے ہیں جو مذاق لطیف اور رائے کلی کے مطابق ہوں لباس مسکن اور کھانے پینے کی چیزوں میں شائستگی اور زینت کا خیال رکھا جاتا ہے ولادت' نکاح ' عید وغیرہ خوشیوں کے موقع پر اظہار سرور اور مصائب کے موقع پر رنج وغم کا اظہار کیا جاتا ہے۔(۲)

تدبیر منزل

اس میں ایک مکان میں رہنے والوں کے درمیان روابط اور تعلقات کے محفوظ رکھنے کی کیفیت بیان کی جاتی ہے۔ میاں بیوی کی مخصوص فطرت کے تناظر میں ان کے فرائض کا تعین کیا جاتا ہے۔ عورت کی فطرت یہ ہے کہ وہ بچوں کی تربیت میں زیادہ سمجھ دار نزاکت اور شرم وحیا کا مالک اور چھوٹے چھوٹے کاموں میں دلچسپی لینے والی ہوتی ہے جبکہ مرد نسبتاً صاحب رائے' شجاع اور جفاکش

---

(۱) شمس الرحمٰن محسنی (شاہ ولی اللہ کے عمرانی نظریے) ص: ۹۹

(۲) شاہ ولی اللہ (حجۃ اللہ البالغۃ) جز اول ص: ۱۲۵

ہوتا ہے یہ باہم تعاون اور ہمدردی سے گھر کا نظام چلاتے ہیں اس فن میں نکاح طلاق ' تربیت اولاد کے طریقے اور دیگر گھریلو انتظامات کے امور شامل ہیں۔(۱)

۳۔ فن اقتصادیات

ارتقاء کے اس مرحلے میں انسان کی ضروریات بڑھتی ہیں۔ انسان اپنی ضرورت کی تمام چیزوں کو خود پیدا نہیں کر سکتا۔ اس لئے مختلف پیشوں کے حامل پیشہ ور پیدا ہوتے گئے مثلاً زراعت ' مکانات ' تعمیر کرنے والے اور اوزار بنانے والے۔ان پیشہ وروں کے درمیان اشیاء کے باہمی تبادلے کی ضرورت ہوئی جو شروع میں اشیاء کے بدلے میں اشیاء دینے کی صورت میں ہوتی تھی۔ بعد میں معدنی جواہر کو تبادلے کا ذریعہ بنا دیا گیا۔ رفتہ رفتہ اجتماعی پیشے کا رواج بڑھتا گیا۔ پیشوں کے حاملین وحدتوں کی صورت اختیار کرتے گئے یوں معاشرہ ارتقاء کی تیسری منزل کی طرف بڑھا۔

تیسری منزل

مختلف پیشے وجود میں آنے کے ساتھ مختلف گروہ جنم لیتے ہیں جن کے باہمی مفادات کا ٹکراؤ اور معاملات کی کشمکش شروع ہوتی ہے اور نتیجتاً ان کے تعلقات و روابط کے سنوارنے اور مختلف قوتوں میں توازن کو برقرار رکھنے کے لئے ایک بالادست اور مضبوط سیاسی نظام کی ضرورت ہوتی ہے اس قوت کو شاہ صاحبؒ امامت سے تعبیر کرتے ہیں۔(۲)

شاہ صاحبؒ نے اس پر تفصیل سے بحث کی ہے۔ بادشاہ کے اوصاف کی نشاندہی کی ہے کہ بادشاہ شجاع حلیم، دانا ، عقلمند بینا ، شنوا ، گویا ، شریف خاندان کا اور رعایا کے دل میں اپنی عظمت بٹھانے والا ہو۔(۳)

شاہ صاحبؒ نے ارکان سلطنت کی ضرورت کو بھی محسوس کیا ہے جن میں پانچ اہم ہیں قاضی ، امیر

---

(۱) - ایضاً ص : ۱۱۷
(۲) شمس الرحمٰن محسنی ، (شاہ ولی اللہ کے عمرانی نظریے) ص : ۱۰۶
(۳) شاہ ولی اللہ (حجۃ اللہ البالغۃ) حصہ اول ص : ۱۳۹ - ۱۴۱

لشکر، منتظم شہر، عامل اور وکیل۔ پھر ان کے انتخاب اور تقرری میں ہر ہر رکن کے عہدے کے پیشہ وارانہ تقاضوں کے مطابق اس کی خصوصیات کی نہایت موزون توضیح کی ہے۔(۱)

چوتھی منزل

معاشرے میں سیاسی وحدتیں قائم ہونے کے بعد یہ وحدتیں ہوس زر اور ملک گیری کے لئے باہم دست وگریبان رہتی ہیں۔ تو اس وقت ایک ایسے بالاتر طاقت کی ضرورت ہوتی ہے۔ جو ان وحدتوں کے درمیان امن وامان ، عدل کا قیام عمل میں لائے۔ اس وقت معاشرہ ارتقاء کی آخری منزل بین الاقوامیت میں داخل ہوتا ہے۔ یہ بالاتر قوت اتنی مضبوط ہو کہ ان سیاسی تنظیموں کے درمیان بزور طاقت امن کا قیام عمل میں لا سکے۔ اور خود اسے مغلوب کرنا ناممکن ہو۔

شاہ صاحبؒ کے نظریہ ارتفاقات کی خصوصیات

۱۔ یہ نظریہ انسانی معاشرے کا نہایت جامع، موزون اور محققانہ تجزیہ پر مبنی ہے جس میں جدید وقدیم سادہ اور پیچیدہ سبھی عناصر شامل ہیں

۲۔ ارتقا کے ہر مرحلے کے لوازمات کی درست نشاندہی کی گئی ہے۔

۳۔ بعض مراحل کے تذکرے کے ضمن میں اصلاح معاشرہ کے لئے رہنما تعلیمات دی گئی ہیں۔

۴۔ یہ تجزیہ فطرت انسانی کے عمیق مطالعے کا نچوڑ ہے جس میں انسان کے فطری خصائص کا صحیح تصوّر دیا گیا ہے اور اس تناظر میں اسلامی احکامات کو فطرت انسانی کے عین مطابق ثابت کرنے کے لئے فطرت انسانی کے تقاضوں اور لوازمات سے استدلال کیا گیا ہے۔ مثلاً نظافت وطہارت، ایک عورت کا ایک مرد سے مخصوص ہونا، میاں بیوی میں ہمدردی، اور امداد باہمی پر مبنی تعلقات وغیرہ۔اسلام ان کی

---

(۱)۔ ایضاً ص: ۱۴۳ - ۱۴۵

تکمیل کرتا ہے۔

۵۔ ان ارتقاقات میں معاشرے کے ارتقا کے ساتھ ساتھ زوال کے اسباب بھی بیان کئے گئے ہیں۔

باب سوم

شاہ صاحبؒ کے کلام کی خصوصیات

فصل اول

قرآن و سنت سے استدلال

شاہ صاحبؒ کے کلام کی پہلی خصوصیت قرآن و سنت سے استدلال ہے ان کے کلام میں قرآن اور سنت اساسی حیثیت رکھتے ہیں۔ آپؒ کے نزدیک علم کی اولین بنیاد ہی قرآن اور سنت ہیں اپنے عہد کے قرآن و سنت سے بے اعتنائی برتنے والے علما سے خطاب کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

اقول لطلبة العلم ایها السفهاء المسمون انفسکم بالعلماء اشتغلتم بعلوم الیونانیین وبالصرف والنحو والمعانی وظننتم ان هذا هو العلم انما العلم اٰیة محکمة من کتاب الله ان تتعلموها بتفسیر غریبها وسبب نزولها وتاول معضلها او سنة قائمة من رسول الله[1]

ترجمہ : میں ان طالبانِ علم سے کہتا ہوں جو اپنے آپ کو علما کہتے ہیں کہ اے نادانو! تم یونانیوں کے علوم صرف نحو اور معانی میں الجھے ہوئے ہو۔ اور تمہارا گمان ہے کہ بس علم صرف یہی ہے حالانکہ علم یا تو کتاب اللہ کی ایت محکم ہے تمہیں چاہیے کہ تم اس کے مشکل الفاظ کی تفسیر سبب نزول اور ان کے دقیق مباحث کی تاویل پڑھو اور علم یا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی سنت ثابتہ ہے"۔

شاہ ولی اللہؒ کا مسلک یہ ہے کہ وہ زیر بحث مسائل کو قرآن و سنت کی کسوٹی پر پرکھتے ہیں اور اس کے بعد ان کے متعلق فقہا کے اقوال و آراء کو قرآن و سنت کی روشنی میں جانچتے ہیں فقہی اقوال میں سے جو ان دونوں سے مطابقت رکھتے ہیں ان کو قبول کر لیتے ہیں اور جو ان کے خلاف ہوتے ہیں

---

(۱) شاہ ولی اللہ (التفہیمات الٰہیہ) مجلس علمی ڈابھیل سورت ہند ۱۳۵۵ھ، حصہ اول، ص : ۲۱۴

ان کو رد کرتے ہیں اور اس معاملے میں وہ کسی کی پروا نہیں کرتے۔[1]

شاہ صاحبؒ نے اپنے دور کے معاشرتی اور اخلاقی مسائل کے حل کے لئے مطالعہ وفہم وتدبر قرآن کو ہی موثر علاج سمجھا[2]

طرز استدلال

شاہ صاحبؒ قرآن مجید کے مفاہیم ومطالب پر گہری نظر رکھتے ہیں۔ قرآنی تعلیمات کے فلسفے اور اس کی روح سے آگاہ ہیں اس لئے اپنے کلام میں قرآن مجید سے استنباط کرنے میں منفرد شان کے مالک ہیں۔ قرآن سے استدلال کرتے ہوئے اس کے نفس مضمون، مصلحت وحکمت انداز بیان اور الفاظ کی ترکیب کو دلچسپ اور خوبصورت ربط کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔

شاہ صاحبؒ نے اپنے افکار کے اثبات کے لئے قرآن مجید سے بکثرت استدلال کیا ہے شریعت اسلام کے اسرار پر قلم اٹھانے کے جواز میں وہ آیات واحادیث نقل کی ہیں جن میں بعض احکامات الہیہ کی فرضیت کی حکمتیں بیان کی گئی ہیں۔

مثلاً قصاص کی حکمت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ یہ کشت وخون سے باز رکھنے کے لئے مقرر کیا گیا ہے[3]

ولکم فی القصاص حیٰوۃ یااولی الالباب ۵[4]

ترجمہ "اور تمہارے لئے اے عقلمندو! قصاص میں زندگی ہے"

"ازالۃ الخفاعن خلافۃ الخلفاء" میں خلفائے راشدین کی حقانیت اور ان کے ہاتھوں انجام پانے والے دینی کارناموں کو قرآن مجید کی پیش گوئیوں اور مسلمانوں کے ساتھ اللہ کے

(۱) جلبانی، غلام حسین، شاہ ولی اللہ کی تعلیم۔ شاہ ولی اللہ اکیڈمی حیدرآباد ۱۹۶۳ء ص: ۶
(۲) ندوی، ابوالحسن علی، سید (تاریخ دعوت وعزیمت) حصہ پنجم ص: ۱۴۰
(۳) شاہ ولی اللہ (حجۃ اللہ البالغۃ) جلد اول مقدمہ، ص: ۲۹
(۴) (القرآن ۲ البقرہ) ۲: ۱۷۹

وعدوں کا مجسم مظہر ثابت کیا ہے اور اس بارے میں قرآن کی گیارہ آیتوں کا حوالہ دیا ہے۔[1]

الفوز الکبیر تو قرآنی احکامات کا نچوڑ ہے۔

شاہ صاحبؒ کے کلام میں قرآن مجید کے بعد حدیث بھی اساسی ماخذ کی حیثیت رکھتی ہے۔ حدیث سے اپنی عقیدت کا اظہار کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"تمام یقینی علوم سے زیادہ عمدہ اور بمنزلہ بیج کے اور مذہبی فنون کی بنیاد علم حدیث ہے جس میں ان اقوال' افعال اور بیانات کا ذکر کیا جاتا ہے جو افضل المرسلین ﷺ سے نکلے ہیں۔ اس لئے وہ اقوال وغیرہ تاریکی میں چراغ اور ہدایت کے نشانات گویا چودھویں رات کے تابناک چاند ہیں جس نے ان کی پیروی کی اور محفوظ کر لیا وہ راہ راست پر ہے اس کو بڑے درجہ کی خوبی عطا کی گئی اور جس نے روگردانی کی اس نے اپنی عمر ضائع کی اور بجز نقصان کے اور کچھ نہیں کیا۔"[2]

فروعی مسائل میں امام ولی اللہ ہمیشہ اس بات کو قبول کرتے تھے جس پر امام ابوحنفیہ اور شافعی کا اتفاق ہوتا تھا۔ نیز اختلاف کی صورت میں آپؒ وہ بات اختیار کرتے جو ظاہر حدیث کے موافق ہوتی تھی۔[3]

تقلید کو دو قسموں "تقلید واجب" اور "تقلید حرام" میں تقسیم کرنے کے بعد احادیث صحیح کی موجودگی میں ان کے برخلاف کسی امام کی تقلید کو "تقلید حرام" قرار دیا۔[4] اور "تقلید واجب" میں بھی یہ ضروری قرار دیا کہ مقلد بقدر استطاعت سنت کا متلاشی رہے۔ جب اس کے سامنے کوئی حدیث مجتہد کے قول کے مخالف آئے تو اس قول کو چھوڑ کر حدیث کو لے لے۔[5]

شاہ صاحبؒ نے اپنے کلام میں احادیث سے بہت زیادہ استدلال کیا ہے۔ "حجۃ اللہ

---

(۱) شاہ ولی اللہ (ازالۃ الخفا عن خلافۃ الخلفا) ج ۱ ص: ۷۵، ۸۴، ۱۲۲، ۱۳۵، ۱۴۶، ۱۵۷، ۱۶۳، ۱۷۴، ۱۸۰، ۱۹۰
(۲) مصنف مذکور (حجۃ اللہ البالغہؒ) مقدمہ
(۳) غلام حسین جلبانی (شاہ ولی اللہ کی تعلیم) ص: ۱۰۶
(۴) شاہ ولی اللہ (عقد الجید) مترجم، مطبع سعیدی کراچی س ن ص: ۱۲۴
(۵) ایضاً ص: ۱۲۲

البالغۃ" کا دوسرا حصہ اسلامی عقائد وعبادات اور معاشرتی نظام کے متعلق واردشدہ احادیث کے اسرار ورموز بیان کرنے سے متعلق ہی ہے۔ شاہ صاحبؒ نے احادیث کی روایت چونکہ بہت زیادہ کی ہے اس لئے آپؒ نے باوجود تمام علوم اسلامی میں ماہر عالم ہونے کے زیادہ شہرت محدث دہلوی ہی کے نام سے پائی۔

فصل دوم

آثار صحابہؓ سے استدلال

شاہ صاحبؒ کے کلام کی دوسری اہم خصوصیت آثارِ صحابہؓ سے استدلال ہے۔ وہ آثار صحابہؓ کی اساسی حیثیت کے قائل اور ممکنہ حد تک اس پر کار بند تھے۔ شاہ صاحبؒ صحابہؓ سے اپنی مذہبی عقیدت کا اظہار ان الفاظ میں کرتے ہیں۔

"ہم صحابہؓ کا ذکر خیر سے کرتے ہیں، وہ ہمارے امام ہیں اور دین میں ہمارے پیشوا ہیں"۔ (۱)

شاہ صاحبؒ صحابہؓ کو نبی کریم ﷺ اور امت کے درمیان ایک واسطہ قرار دیتے ہیں جنہوں نے اسلام کو قولاً وعملاً نبی کریمؐ سے حاصل کیا اور امت تک پہنچایا۔ چنانچہ لکھتے ہیں۔

"امت کا نبی ﷺ سے شریعت اخذ کرنے کا دوسرا طریقہ احادیث کی دلالت اور رہنمائی سے احکام اخذ کرنا ہے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ صحابہ کرامؓ نے رسول اللہؐ کو کوئی حکم دیتے ہوئے یا کرتے ہوئے دیکھا اور انہوں نے اس سے وجوب وغیرہ کا کوئی حکم مستنبط کر کے لوگوں کو بتایا کہ فلاں شئے واجب ہے اور فلاں شئے جائز ہے۔ پھر تابعین نے صحابہ کرامؓ سے یہ احکام اس طرح حاصل کیئے۔ (۲)

آگے صحابہؓ کی اس حیثیت کو مزید وضاحت کے ساتھ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"فقہائے صحابہؓ نے طاعتوں اور گناہوں کے اصولوں کو ان مشہور امور سے اخذ کیا تھا جس پر اس زمانے کے فرقوں کا اتفاق ہو گیا تھا۔ مشرکین عرب یہود ونصاری سب ان پر متفق تھے۔ اس لئے صحابہؓ کو

---

(۱) محمد سرور (الا دمغان شاہ ولی اللہؒ) ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور ۱۹۸۶ء ص: ۵۰۴

(۲) شاہ ولی اللہ (حجۃ اللہ البالغہ) جلد اول ص: ۳۸۰

ان امور کی وجوہ اور ان کے متعلق مباحث اور استفسارات کی زیادہ ضرورت نہیں تھی اور شریعت کے قوانین اور آسانی کے اصول اور استحکام دین کے طریقوں کو انہوں نے امرونہی کے مواقع دیکھ دیکھ کر حاصل کر لیا تھا۔ جیسے طبیب کے ہم نشین مدت کے میل جول اور مشاقی سے ان دواؤں کے فوائد معلوم کر لیتے ہیں جن کے استعمال کا وہ طبیب حکم کرتا ہے۔ صحابہؓ کو ان امور کے متعلق اعلیٰ درجہ کی واقفیت تھی۔[1]

صحابہؓ کو معاملات دین میں اساسی اور معیاری مقام دینے کے بعد ان کے آثار سے استدلال کرنے کا اعتراف ان الفاظ میں کیا ہے۔

"اور معلوم ہونا چاہیے کہ میں نے ایسے اقوال (ملأ اعلیٰ عالم مثال" اور حظیرۃ القدس وغیرہ) پر جرأت جب ہی کی ہے کہ آیتوں، حدیثوں اور صحابہؓ تابعینؒ کے آثار کو ان کے مؤید پایا ہے۔[2]

شاہ صاحبؒ نے خلفائے راشدین کی خلافت کو نبوت کا تتمہ قرار دیا ہے۔ گویا خلافت کا زمانہ عہد نبوت ہی کا تسلسل تھا۔ وہ اس طرح کہ زمانہ نبوت میں تصریحاً زبان مبارک سے تمام باتیں بیان فرماتے تھے اور زمانہ خلافت میں ساکت بیٹھے ہوئے ہاتھ اور سر سے اشارہ کرتے تھے۔ بعض لوگ اصل مقصود سمجھ گئے اور بعض نے سمجھنے میں غلطی کی۔[3]

آثار صحابہؓ سے استدلال کی مثال

شاہ صاحبؒ نے اسلامی احکام کے اسرار کو بیان کرنے کے جواز کو آثار صحابہؓ سے بھی ثابت کیا ہے۔ لکھتے ہیں۔

---

(۱) ایضاً ص:۳۹۵

(۲) ایضاً : مقدمہ

(۳) مصنف مذکور (ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء) مترجم مولانا عبدالشکور کراچی س ن ج:۱ ص:۱۰۰

"حضرت عباسؓ نے جمعہ کے روز غسل کے مسنون ہونے کی وجہ بیان کی۔ حضرت زید بن ثابت نے درختوں کے پھل ظاہر ہونے سے پہلے بہار میں فروخت کرنے کی ممانعت کا سبب بیان کیا اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے اس کی وجہ بیان کی کہ بیت اللہ کے رکنوں میں سے صرف دو ہی کو کیوں بوسہ دیا جاتا ہے۔"(۱)

شاہ صاحبؒ نے خلافت کے انعقاد کے چاروں طریقوں(۲) کو آثار صحابہؓ سے ثابت کیا ہے۔(۳)

شاہ صاحبؒ نے فقہ عمرؓ کی ایک طویل فہرست بھی بنائی ہے جس میں ارکان اسلام سمیت دیگر مسائل سے متعلق حضرت عمرؓ کے فقیہانہ فیصلوں کو جمع کیا ہے۔(۴)

---

(۱)۔ مصنف مذکور، حجۃ اللہ البالغۃ، جلد اول، مقدمہ، ص: ۳۱
(۲) دیکھیے مقالہ ھذا باب دوم فصل ہشتم
(۳) شاہ ولی اللہ (ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء) مترجم ج: ۱ ص: ۲۳
(۴) مصنف مذکور، کتاب مذکور، ج ۳ ص: ۳۰۸-۳۲۹

فصل سوم

کشف سے استدلال

شاہ صاحبؒ کے کلام کی ایک نمایاں خصوصیت کشف سے استدلال ہے۔ آپؒ کشف کی مسلّمہ حیثیت کے قائل تھے۔ آپ کے نزدیک کشف معرفت الٰہی کے تین ذرائع میں سے ایک ذریعہ ہے۔[1] شاہ صاحبؒ روحانی وارداتوں اور رویائے صادقہ کو محض الہام قرار نہیں دیتے۔ وہ ان کی معروضی اساس کے قائل ہیں اور انہیں انسانوں کو درپیش مسائل کا علامتی انداز میں روحانی سطح پر حل قرار دیتے ہیں[2]۔ اس لئے آپ نے قرآن وسنت کے ساتھ ساتھ کشف سے بھی استدلال کیا۔

شاہ صاحبؒ کا کشف سے استدلال کافی وسیع اور بہت سے اہم بنیادی اور دقیق مسائل پر مشتمل ہے جن کی گتھیوں کو عقل و نقل کے ذریعے سلجھانا شاید ناممکن ہے۔ یہ مسائل تصوف کی باریکیوں، فقہ کی پیچیدگیوں اور تاریخ اسلام کے بعض حساس واقعات وحالات کی توجیہہ سے تعلق رکھتے ہیں بعض مشکل احادیث نبویؐ کی توضیح میں بھی کشف سے کام لیا گیا ہے جو آپؒ کی متعدد تصانیف میں ملتے ہیں نیز قیام حجاز کے دوران پیش آنے والی روحانی وارداتوں پر مشتمل ایک مستقل تصنیف "فیوض الحرمین" کے نام سے لکھی ہے۔

شاہ صاحبؒ کے کلام میں کشف کی مثالیں

مسئلہ وحدت الوجود اور وحدت الشہود

تصوف کے دو اختلافی تصورات مسئلہ وحدت الوجود اور وحدت الشہود میں کشف کے ذریعے

---

(۱) شاہ ولی اللہ (التفہیمات الٰہیہ) مجلس العلمی ڈابھیل سورت ہند ۱۹۳۶ء ج ۲ ص : ۱۷۹

(۲) قاضی جاوید (افکار شاہ ولی اللہ) حاشیہ ص : ۱۳۰

تطبیق دینے کی کوشش شاہ صاحبؒ کا ایک بڑا کارنامہ ہے۔ اگرچہ آپؒ نے اس مسئلے پر مختلف مواقع دوسرے دلائل کے ذریعے پر بحث کی ہے مگر آپؒ کا سب سے اہم کام کشف کے ذریعے اس مسئلے کا حل ڈھونڈنا ہے۔

فیوض الحرمین کے پہلے مکاشفے میں آپؒ وحدت الوجود اور وحدت الشہود کے ماننے والوں کو مجسم شکل میں دیکھتے ہیں۔ وحدت الوجود کے ماننے والوں کے دلوں پر ندامت اور ان کے چہرے سیاہ اور ان سے خاک اڑ رہی ہے جبکہ وحدت الشہود کے ماننے والوں کے چہرے تروتازہ اور حسین ہیں ان دونوں کے درمیان اپنے اپنے تصورات کی حقانیت کا دعویٰ تنازعہ کی شکل اختیار کیا ہے تو اس وقت شاہ صاحبؒ کو ان دونوں گروہوں کے درمیان ثالث بنایا گیا۔ شاہ صاحبؒ نے دونوں کے دلائل سننے کے بعد نظریہ وحدت الوجود کو اگرچہ علوم حق قرار دیا مگر یہ وضاحت بھی کر دی کہ چونکہ یہ علم ان کے ذوق اور مذاق سے بالاتر تھا کہ جس کے تقاضوں یعنی ذات حق کی تعظیم اور اس کے سامنے عاجزی سے وہ بطریق احسن عہدہ برآ نہ ہو سکے' اس لئے انہیں ندامت کا سامنا کرنا پڑا۔ وحدت الشہود والے اگرچہ وحدت الوجود کے علوم حقّہ سے بے خبر رہے مگر اپنے ذوق اور مشرب کے مطابق علوم کو حاصل کرنے کے بعد اپنے نفوس کی اصلاح میں کامیاب ہو گئے۔(۱)

مسالک فقہ

مسلمانوں کے مسالک اربعہ حنفیہ شافعیہ حنبلیہ اور مالکیہ میں سے کسی ایک کی حقانیت کے مسئلے میں بھی شاہ صاحبؒ نے کشف سے استنباط کیا۔ دوران مکاشفہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہ معلوم کرنے کی کوشش کی کہ حضرت نبی کریمؐ کس مسلک کی طرف زیادہ رجحان رکھتے ہیں تو آپؒ (شاہ صاحبؒ) کو

---

(۱) شاہ ولی اللہ (فیوض الحرمین) اردو ترجمہ از پروفیسر محمد سرور دارالاشاعت کراچی ۱۴۱۴ھ ص ۵۲-۵۷

بتا دیا گیا کہ فقہ کے چاروں مسالک یکساں ہیں۔[1]

علاوہ ازیں شاہ صاحبؒ کو نبی کریم ﷺ سے تین ایسے امور میں روحانی طور پر استفادہ ہوا جو شاہ صاحبؒ کی ذاتی رجحانات کے برخلاف تھے' وہ مندرجہ ذیل ہیں۔

۱۔ اسباب کی طرف التفات ختم کرنے کو کہا گیا حالانکہ شاہ صاحبؒ اسباب کی طرف مائل تھے۔

۲۔ فقہ کے چاروں مسالک کا پابند رہنے کو کہا گیا' شاہ صاحبؒ کو تقلید سے انکار تھا۔

۳۔ آپؒ کو حضرت علیؓ پر حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ کو فضیلت دینے کا حکم دیا گیا اور حالانکہ شاہ صاحبؒ فضیلت علیؓ کی طرف مائل تھے۔

ان تینوں امور کے متعلق شاہ صاحبؒ کا خیال ہے کہ یہ اللہ کی طرف سے ان کے لئے حجت بن گئے ہیں۔[2]

شاہ صاحبؒ کے مکاشفات کی فہرست خاصی طویل ہے ان سب کا احاطہ کرنا موضوع کے اغراض ومقاصد سے خارج ہے۔ بطور مثال کے ان چند بڑے بڑے مسائل کا ذکر کیا گیا کہ جن میں شاہ صاحبؒ نے کشف سے استدلال کیا۔ اور اپنی زندگی میں عملاً" بھی الہامی اشارت پر بڑی حد تک کاربند رہے۔

طرز استدلال

کشف سے استدلال کرنے میں شاہ صاحبؒ "کشف عقل اور نقل کے درمیان تطبیق دینے کی کوشش کرتے ہیں ایسا لگتا ہے کہ یہ خصوصیت آپؒ کو وارثتاً" ملی کیونکہ اس سے قبل کشف اور عقل ونقل کو الگ الگ اپنے لئے مشغل راہ اور صرف ایک میں خصوصی مہارت پیدا کرنے کی وجہ سے اہل علم جدا جدا فرقوں میں بٹ گئے تھے۔ شاہ صاحبؒ کے والد اور چچا کی یہ کوشش تھی کہ ان

(۱) ایضاً ص : ۱۲۳-۱۲۴
(۲) ایضاً ص : ۲۲۶

فرقوں کا آپس میں اختلاف مٹ جائے۔"(۱)

بقول مولانا عبید اللہ سندھی

"ہم امام ولی اللہ کے علوم میں نقل و عقل اور کشف کے تطابق کو مابہ الامتیاز مانتے ہیں"۔(۲)

یہ حقیقت ہے۔ کہ شاہ صاحبؒ نے اپنے کلام میں وسیع پیمانے پر کشف سے استدلال کرنے کے باوجود کشف اور نقل میں مکمل موافقت قائم رکھی ہے۔ کسی بھی مرحلے پر ان میں تعارض نظر نہیں آتا۔

---

(۱) سندھی، عبید اللہ مولانا (شاہ ولی اللہ اور ان کا فلسفہ) ص ۳۰

(۲) مصنف مذکور بیش لفظ (تحریک شیخ الہند) مرتب سید محمد میاں، المخزن پرنٹرز کراچی ۱۹۸۸ء ص: ۱۶

فصل چہارم

دین کا ایک جامع اور ہمہ گیر تصور

شاہ صاحبؒ کے کلام کی تیسری بنیادی خصوصیت دین کا جامع اور ہمہ گیر تصور ہے متقدمین مفکرین علما ومجددین دین کے کسی ایک پہلو پر یا چند پہلوؤں پر حاوی تصورات رکھتے تھے۔ ان کی تعلیمی تبلیغی اصلاحی اور تجدیدی مساعی کا محور اسلام کے چند مخصوص شعبے ہوتے تھے۔ ان میں کوئی بھی اسلامی علوم کے جملہ شعبوں میں ماہر اور ان کے جامع مبلغ کی حیثیت سے نظر نہیں آتا یہی وجہ ہے کہ شاہ صاحبؒ سے پہلے اسلام کے مختلف علوم وفنون تفسیر، حدیث، فقہ اور شریعت وطریقت کے درمیان ایک خلیج سی پیدا ہو گئی تھی۔ ہر ہر فن کے ماہرین نے اپنے اپنے شعبہ علوم کو مخصوص دائروں میں محدود کر دیا تھا۔ ان کے نزدیک حق وصداقت، فلاح انسانی اور دین کے لوازمات انہی دائروں میں محدود تھے شاہ صاحبؒ کا طرہ امتیاز یہ ہے کہ آپؒ اسلام کے تمام علوم وفنون میں ماہرانہ وفاضلانہ بصیرت رکھتے تھے۔ تفسیر حدیث، فقہ، تصوف اور علم کلام سب میں آپؒ کو یکساں مثالی اور اعلیٰ درک حاصل تھا کسی بھی علم میں کوئی ضعف نہیں تھا اور آپؒ اسلامی علوم کے اعلیٰ مدارج مقام مجدّدیت قطبیت اور امامت پر فائز تھے اور اسی کا نتیجہ تھا کہ انہوں نے متقدمین مفکرین و مجددین کی نسبت دین کا ایک جامع اور ہمہ گیر تصور پیش کیا۔ اسلام کے عقائد عبادات اخلاقیات معاشی اور معاشرتی تعلیمات الغرض تمام شعبوں میں مفید اور رہنما افکار ونظریات پیش کیے۔ ان تمام شعبوں سے متعلق ان کی تعلیمات متوازن باہم مربوط اور جامع ہیں۔ کسی مخصوص شعبہ علم کی طرف غیر ضروری جھکاؤ

---

(۱) شاہ ولی اللہ (التفہیمات الٰہیہ) حصہ دوم۔ ص: ۱۲۵، ۱۳۲، فیوض الحرمین) اردو ترجمہ ص: ۱۲۷، ۱۶۰

نہیں اور نہ کسی ضروری شعبے کو نظرانداز کیا ہے بلکہ تمام شعبوں میں حسب ضرورت رہنمائی فرمائی۔

سید ابوالاعلیٰ مودودی کے الفاظ میں :

"جو کام ان سے پہلے کسی نے نہ کیا تھا' وہ یہ ہے کہ انہوں نے اسلام کے پورے فکری' اخلاقی' شرعی اور تمدنی نظام کو ایک مرتب شکل میں پیش کرنے کی کوشش کی ہے یہ وہ کارنامہ ہے جس میں وہ اپنے تمام پیشروؤں سے بازی لے گئے ہیں۔"[1]

شریعت و طریقت کے مابین توافق۔

تعلیمات اسلام کی جامعیت کی توضیح کرتے ہوئے اسلامی علم وفنون کے دو بنیادی شعبوں شریعت وطریقت کے درمیان ربط تعلق کی نشاندہی کی جو شاہ صاحبؒ کا عظیم کارنامہ ہے۔ شاہ صاحبؒ سے پہلے شریعت و طریقت نہ صرف جداگانہ بلکہ متضاد علوم تصور کئے جاتے تھے۔ شاہ صاحبؒ کے زمانے میں تصوف زوروں پر تھا۔ ضرورت تھی کہ اس کی اصلاح کی جائے تاکہ عوام اور خواص کی روحانی اصلاح کے سلسلے بھی منقطع نہ ہوں اور شرع کی مخالفت بھی جاتی رہے شاہ صاحبؒ اس کام کے لئے بے حد موزون تھے۔ وہ اسلامی فقہ کی تاریخ سے پوری طرح باخبر اور فقہ کے زبردست عالم تھے۔ اس کے علاوہ وہ باقاعدہ صوفی تھے۔ انہوں نے بیعت کر رکھی تھی۔ انہوں نے اپنے علم اور ذاتی تجربات کو تصوف اور فقہ کے اختلافات مٹانے کیلئے استعمال کیا۔[2] شاہ صاحبؒ طریقت اور شریعت کو متضاد تصور نہیں کرتے چنانچہ وہ راہ حق کے طالب کا کمال یہ سمجھتے ہیں کہ یہ دونوں راہیں اس کی ذات میں جاکر باہم مل جائیں۔[3]

شاہ صاحبؒ کے نزدیک شریعت وطریقت دونوں کا مقصد چونکہ تزکیہ نفس اور دین کی اشاعت

---

(۱) ابوالاعلیٰ مودودی، سید، (تجدید احیائے دین) لاہور ۱۹۸۸ء ص : ۱۱۰

(۲) محمد اکرام شیخ (رود کوثر) ص : ۵۸۰

(۳) قاضی جاوید (افکار شاہ ولی اللہ) ص : ۱۳۴

ہے۔ اول الذکر احکام الٰہی کی عمومی تعمیل اور عبادات کے ذریعے اور دوسرا جذب وفنا کے ذریعے پہلا طریقہ نسبتاً قابل ترجیح ہے ان میں ایک لحاظ سے تفوق ہے تو دوسرے لحاظ سے نہیں۔(۱)

عملی طور پر شاہ صاحب نے اپنے آپؒ کو رسول ﷺ کی خلافت باطنیہ کے لئے وقف رکھا اور خلافت ظاہری کے لئے جو لوگ موزوں ہوتے ان کی تربیت کرتے رہے۔(۲)

اسلام کو بحیثیت ایک جامع اور ہمہ گیر دین کے پیش کرنے کا ایک پہلو تو یہی ہے کہ آپؒ نے شریعت وطریقت کے درمیان قریبی اور لازمی تعلق کی نشاندہی کر دی اس کا دوسرا اہم پہلو یہ ہے کہ پھر احکام شریعت پر اس انداز سے روشنی ڈالی ۔ اسے زندگی کے تمام پہلوؤں میں مربوط شکل میں رہنمائی بہم پہنچانے والا نظام حیات ثابت کیا۔ آپؒ کے کلامی مباحث مسائل تصوف یا عقائد وعبادات تک محدود نہیں تھے، بلکہ سیاست، معیشت اور معاشرت کے متعلق اسلامی احکامات کی توضیح بھی ان کا اہم حصہ تھے۔ پھر توضیح بھی اس طرح فرمائی کہ اشغال طریقت سے لے کر عقائد وعبادات اور اخلاقیات تک سب ایک اکائی نظر آنے لگے جن کے اجزا ایک دوسرے سے جدا نہیں بلکہ ایک دوسرے پر منحصر، نشونما اور ارتقا میں باہم معاون اور آپس میں لازم و ملازم ہیں اس طرح شاہ صاحب نے نہایت واضح انداز میں اسلام کی جامعیت کو ثابت کر دیا۔

---

(۱) شاہ ولی اللہ (فیوض الحرمین) اردو ترجمہ ص : ۱۸۰ - ۱۸۱
(۲) محمد اکرام، شیخ، (رود کوثر) ص : ۵۵۰

فصل پنجم

اعتدال [۱]

شاہ صاحبؒ کے کلام کی ایک بنیادی اور نمایاں خصوصیت اعتدال ہے اور یہ آپؒ کے کلام کے ہر شعبے میں واضح اور نمایاں ہے۔ ان سے پہلے کے متکلمین میں یہ قدر مشترک رہی ہے کہ وہ تصوف یا فقہ کے کسی خاص مسلک میں مکمل طور پر محصور رہتے تھے۔ ان کی تمام تر کوشش یہ ہوتی تھی کہ وہ اپنے مخصوص مسلک کے دفاع میں عقلی و نقلی دلائل جمع کریں اور اپنی علمی و فکری صلاحیتوں کو اپنے مسلک کی اشاعت میں استعمال کریں شاہ صاحب اس قسم کے متکلمین میں سے نہیں ہیں۔ وہ اپنے نقطۂ نظر اور افکار و تصورات میں تعصّب افراط و تفریط اور انتہا پسندی سے پاک اور اصول اعتدال پر سختی سے کار بند ہیں۔

اپنے اصول اعتدال کی توضیح کرتے ہوئے شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں۔

"جہاں میں علماء کے فرقے اور مذاہب مختلف پاتا ہوں تو میں ایک صاف اور روشن راستہ اختیار کرتا ہوں کناروں کی طرف نہیں مڑتا۔ معتدل طریقہ پسند کر کے پختگی سے اس پر تفریعات کرتا ہوں۔" [۲]

شیخ محمد اکرام کے الفاظ میں

شاہ صاحبؒ کی سب سے نمایاں خوبی عدل و اعتدال ہے جو کوئی ان کے فلسفے اور رجحانات پر تبصرہ کرتا ہے اسے "متوازن دل و دماغ" "معتدل مزاج" "ہمہ گیر فطرت" جامعیت' "توازن صادق" "اعتدال صحیح" یا اس قسم کے الفاظ استعمال کرنا پڑتے ہیں۔ [۳]

---

(۱) اس موضوع پر مفصل بحث باب پنجم، فصل سوم میں آ رہی ہے۔
(۲) شاہ ولی اللہ (حجۃ اللہ البالغۃ) مقدمہ
(۳) شیخ محمد اکرام (رود کوثر) ص: ۵۷۷

شاہ صاحب کا وصف اعتدال اسلامی عقائد واحکام کی توضیح میں عام طور پر پایا جاتا ہے آپؒ جب بھی اسلام کے کسی عقیدے یا حکم کی توضیح کرتے ہیں تو اکثر "ممالک معتدلہ" یا اقوام معتدلہ' کا حوالہ دیتے ہیں اس سے آپؒ کی مراد یہ ہوتی ہے کہ مذکورہ عقیدہ یا حکم کی بنیاد فطرت انسانی کی ایک اہم مشترکہ خصوصیت 'اعتدال' پر رکھی گئی ہے۔

جیسا کہ بتایا جا چکا ہے کہ شاہ صاحبؒ کے کلامی مباحث کا ایک اہم شعبہ یا حصہ اسلام کے مختلف مسالک شریعت وطریقت اور ان کے ذیلی شعبوں کے افکار وتصورات میں تبطیق کی صورت پیدا کرنا ہے۔ یہ آپؒ کے کلامی مباحث کا قابل قدر حصہ ہے اس شعبے میں بھی آپؒ کا وصف اعتدال ہی کار فرما ہے جس کی بدولت آپؒ انتہائی مخالف تصورات کے مابین بھی تطبیق کی ایک ممکن صورت پیدا کرتے ہیں۔

الغرض شاہ صاحبؒ کے افکار ونظریات میں اعتدال کا عنصر ایک نمایاں خصوصیت کے طور پر کار فرما ہے۔ اس خصوصیت کے ذریعے آپؒ نے دوسرے متکلمین کے لئے ایک نمونہ فکر وعمل مہیا کیا جس میں رواداری، حق وصداقت، میانہ روی اور بے تعصبی کے بہترین اوصاف سے ایک متکلم کا متصف ہونا شامل ہے۔

فصل ششم

نئی اصطلاحات کا استعمال

شاہ صاحبؒ کے کلام کی ایک منفرد خصوصیت یہ ہے کہ انہوں نے اپنے کلام میں چند جدید اصطلاحات سے متعارف کیا جو ان سے پہلے کے متکلمین کے کلام میں نہیں ملتیں اور ان اصطلاحات کا بار بار استعمال کیا سطور ذیل میں شاہ صاحبؒ کی چند اہم اصطلاحات کا تذکرہ کیا جاتا ہے۔

۱۔ ارتفاقات

شاہ صاحبؒ کے کلام کے شارحین نے ارتفاقات سے مختلف مفہوم لیا ہے۔ مولانا محمد متین ہاشمی کے نزدیک اس سے مراد وہ نفع بخش انتظامات ہیں جو انسانی زندگی کے لوازمات میں سے ہیں۔[1]

بعض نے اس کے مادہ "رفق" کے "لغوی معنی" "نرمی" کے حوالے سے اس کی وجہ تسمیہ یہ بیان کی ہے۔ معاشی اور فکری مشکلات پر آسانی سے عبور حاصل کرنے کے طریقوں کو ارتفاقات کہا جاتا ہے۔

انسان کے فائدے کے لئے موجود چیزیں خود کام میں نہیں آتیں' وہ سرکش اور باغی ہیں۔ انہیں رام کرنے کے لئے نرمی سے کام لینا پڑتا ہے۔ ایسے ہی دنیا پر سوچ بچار کرنے کے سلسلے میں جو مشکل گتھیاں سامنے آتی ہیں' وہ رفتہ رفتہ سوچنے سے ہی کھلتی ہیں۔[2]

مولانا عبدالحق حقانی نے ارتفاقات کا ترجمہ "تدابیر نافعہ" کیا ہے[3] ارتفاقات کا بیان شاہ صاحبؒ نے اپنی تصانیف "حجۃ اللہ البالغۃ" اور "البدور البازغۃ" میں کیا ہے۔ جس میں انسانی

---

(۱) محمد متین ہاشمی، مولانا، مقدمہ اردو ترجمہ سطعات ادارہ اسلامیات لاہور ۱۹۹۰ء طبع سوم ص: ۳۷

(۲) بشیر احمد، لدھیانوی، شیخ (امام ولی اللہ اور ان کا فلسفہ عمرانیات و معاشیات) گیلانی برقی پریس لاہور ۱۹۴۵ء ص: ۵۲

(۳) حقانی، عبدالحق، مولانا، مقدمہ ترجمہ حجۃ اللہ البالغہ، ص: ۴۳

معاشرے کے چار ارتقائی مراحل اور ان کی خصوصیات ولوازمات سے مفصل بحث کی ہے۔

شخص اکبر

یہ کائنات کے لئے استعمال کیا گیا ہے۔ جس طرح شخص واحد عبارت ہوتا ہے جسم اور نفس دونوں کے مجموعے سے۔ اسی طرح کائنات کا بھی ایک کلی جسم اور کلی نفس مانا گیا ہے۔ ان دونوں کے مجموعے کا نام شخص اکبر ہے۔(۱)

شخص اکبر کا وجود ذات بحت سے آتا ہے، لیکن اس شرط سے کہ درمیان میں ایک منزل ہے۔ اسی کے ذریعے وجود ملتا ہے کیونکہ عالم شہادت اتنا کثیف اور ذات بحت اس قدر لطیف ہے کہ ان کا تعلق ایک درمیانی واسطے مرتبہ عقل سے ہوتا ہے پہلے مرتبہ عقل صادر ہوا تو اس کے بعد عالم شہادت پیدا ہوتا ہے۔(۲)

شاہ صاحبؒ نے شخص اکبر کا تذکرہ "فیوض الحرمین" "الخیر الکثیر" اور "سطعات" میں کائنات کے بیان میں کیا ہے۔

نسمہ:

وہ جسم لطیف جو بدن کثیف میں جاری اور ساری ہو کر کمالات انسانی کے ظہور کا ذریعہ بنتا ہے نسمہ کہلاتا ہے۔ اس میں قوت اور انفعال ہوتے ہیں۔(۳)

نسمہ کی ایک تشریح یہ کی گئی ہے۔ جسم انسانی میں ایک لطیف بخار موجود ہے جو انسان کے چاروں اخلاط سودا، صفرا، بلغم اور خون کے نچوڑ سے پیدا ہوتا ہے۔ لیکن اس میں خون کا حصہ نسبتاً زیادہ ہے۔ چنانچہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ وہ لطیف بخار اور خون کے نچوڑ سے بنتا ہے یہ بخار جو ایک سفید

---

(۱) الحنفی، جمیل نقوی مقدمہ اردو ترجمہ فیوض الحرمین، ص ۱۷-۱۸

(۲) غلام مرتضیٰ، ملک، ڈاکٹر، (شاہ [illegible] کا فلسفہ (مابعد الطبیعات) لاہور س ن ص: ۵۳

(۳) شاہ ولی اللہ، البدور البازغہ: ۳۹

دھندیا کہر کی طرح ہے۔ تمام کثیف جسم میں پھیلا رہتا ہے اور جسم کے ہر حصہ کو اپنے مخصوص افعال کی انجام دہی کے لئے حرکت میں رکھتا ہے۔[1]

انسان کی موت کے بعد سزا کو یہ نسمہ محسوس کرتا ہے۔ انسانی نفس کا اولین تعلق اسی نسمہ سے، پھر بدن سے ہوتا ہے اور اس کی موت کے بعد جسم باطل ہوتا ہے اور نسمہ باقی رہتا ہے۔ جس میں اس کی قلبی اور دماغی قوتیں ہوتی ہیں جنہیں وہ اپنے جوہر ہوائی میں محفوظ کرتا ہے اور اس کو عالم برزخ میں سزا یا انعام دیا جاتا ہے۔[2]

نسمہ کے تین شعبے ہیں۔ نفس، دل اور عقل۔ جس میں دماغ کی مثال قاضی کی اور دل کی مثال حاکم کی سی ہے۔[3]

حظیرۃ القدس اور ملأ اعلیٰ

عالم مثال میں ایک اسمبلی ہے جسے حظیرۃ القدس کہتے ہیں، اس میں ملأ اعلیٰ اور نفوس زکیہ انسانیہ جمع ہوتے ہیں۔ یہ اسمبلی کے رکن ہیں۔

ملأ اعلیٰ اور نفوس زکیہ انسانیہ انسانیت کی بھلائی کے لئے اپنی تجاویز دعا کی صورت میں اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان پر احکام صادر ہوتے ہیں۔ وہ احکام حظیرۃ القدس پہنچنے کے بعد وہاں سے براڈ کاسٹ کئے جاتے ہیں۔ اس کی صورت یہ ہے کہ اگر کوئی نبی موجود ہے تو جبریل علیہ السلام کے ذریعے وہ پیغام اس تک پہنچائے جاتے ہیں اور اگر نبی نہ ہو تو "از کی خلق اللہ" کو الہام کی صورت میں وہ پیغام پہنچائے جاتے ہیں۔ مثلاً رویائے صادقہ، کشف، آواز غیبی وغیرہ۔[4]

---

(۱) غلام مرتضیٰ، ملک، ڈاکٹر، (شاہ ولی اللہ کا فلسفہ (ما بعد الطبیعات) ص: ۱۶۰
(۲) شاہ ولی اللہ (التفہیمات الہیہ) ج۱ ص: ۱۶۷-۱۶۸
(۳) ایضاً ص: ۱۶۱
(۴) غلام مرتضیٰ، ملک، ڈاکٹر (شاہ ولی اللہ کا فلسفہ (ما بعد الطبیعات ص: ۴۲

"حظیرۃ القدس" کو شخص اکبر کا دماغ کہا جا سکتا ہے[1]

شاہ صاحبؒ نے اس اصطلاح کا استعمال بھی بار بار کیا ہے۔ "حظیرۃ القدس" یا "ملأ اعلیٰ" کا تصور شاہ صاحبؒ کے دعوت دین کے کام کا ایک اہم عنصر ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ نیک کام کی بجا آوری ملأ اعلیٰ اور "حظیرۃ القدس" کی خوشی اور مسرت کا باعث ہوتی ہے۔ جس کے نتیجے میں وہ بارگاہ الہٰی میں نیکو کاروں کے لئے دعائے خیر کرتے رہتے ہیں جو شرف قبولیت حاصل کر پاتی ہے اور بالآخر نیکوکاروں کے لئے فلاح وسعادت کا باعث بنتی ہے۔[2]

تدلی

شاہ صاحبؒ کے کلام میں تدلی کی اصطلاح بھی بکثرت استعمال کی گئی ہے ان کے کلام کے شارحین نے اس صطلاح کی وضاحت اس طرح کی ہے۔ کمالات الہٰی اس دنیا میں تجلیات الہی کے ذریعے ظہور پذیر ہوتے ہیں یہ تجلیات جس تصرف الہٰی کا نتیجہ ہوتی ہیں اسے اللہ کی تدّلی کہتے ہیں[3] ذات حق کے لامحدود کمالات میں سے اس عالم میں جب کوئی اس کا کمال اس صورت میں ظاہر ہو جاتا ہے کہ وہ عنوان بن جاتا ہے ذات حق کا تو ذات حق کے کمال کے اس طرح ظاہر ہونے کو تدّلی کہتے ہیں۔[4]

بعض کے الفاظ میں تجلّیات کے گرنے کو یا نازل ہونے کو یا کائنات میں پھیلنے کو تدلّیات کہتے ہیں۔[5]

شاہ صاحبؒ نے نبوت، نماز، الہامی کتب، ملت اور خانہ کعبہ کو تدلی کی مجسم صورتیں قرار دیا ہے۔[6]

---

(۱) محمد متین ہاشمی، مولانا، حاشیہ اردو ترجمہ سطعات ص: ۱۳۹
(۲) شاہ ولی اللہ (حجۃ اللہ البالغۃ) جلد اول ص: ۵۹
(۳) محمد سرور حاشیہ اردو ترجمہ فیوض الحرمین ص: ۵۹
(۴) الحنفی، جمیل نقوی مقدمہ " " " ص: ۱۸
(۵) غلام مرتضیٰ ملک، ڈاکٹر شاہ ولی اللہ کا فلسفہ (مابعد الطبعیات) ص: ۴۳
(۶) شاہ ولی اللہ (فیوض الحرمین) اردو ترجمہ ص: ۸۶ تا ۸۹

شاہ صاحبؒ کی ایجاد کردہ یہ اصطلاحات نئی ہیں اور یہ ان کی تحقیق کا اہم اور بنیادی حصہ ہیں۔
ان سے قبل کسی حکیم، فلسفی، صوفی نے اس قسم کی اصطلاحات استعمال نہیں کیں۔

باب چہارم

شاہ صاحبؒ کے کلام کی مشکلات

فصل اول

کشف کا وسیع استعمال

اسلام کے ذرائع علم میں کشف کی حیثیت اگرچہ مسلّمہ ہے توجہ الی اللہ، ریاضت اور طریقت کے جملہ مراحل طے کر چکنے کے بعد عارف باللہ کے لئے معرفت کے دروازے کھلتے اور مادی حجابات کسی حد تک ہٹ جاتے ہیں اور سربستہ راز منکشف ہونے لگتے ہیں مگر چونکہ یہ راز عام انسان کی علمی اور عقلی سطح سے بالاتر ہوتے ہیں۔ اس لئے ان حقائق کو عام انسانوں سے مخفی رکھنا ہی زیادہ قرین مصلحت ہے حضرت علیؓ کا قول ہے:۔

قال علیؓ حدثوا الناس بما یعرفون أتحبون ان یکذب اللّٰہ ورسولہ"(1)

ترجمہ : "حضرت علیؓ نے فرمایا لوگوں کو وہ بات بتاؤ جو وہ سمجھتے ہیں (ان کی سمجھ سے بالاتر باتیں بتا کر) کیا تم یہ چاہتے ہو کہ وہ خدا اور رسولؐ کو جھٹلائیں"

اس حقیقت کے برعکس شاہ صاحبؒ کے کلام میں کشف کو کافی وسیع مقام دیا گیا ہے۔ عقائد وعبادات، اسرار شریعت، کونیات والٰہیات سبھی پر کشف کی زبان میں بحث کی گئی ہے۔ اسلام کی جملہ تعلیمات کو کشف کو کسوٹی پر پرکھنے کی کوشش کی گئی ہے۔ اور بطور ماخذ استدلال قرآن وسنت کے تقریباً متوازی مقام دیا گیا ہے۔

ڈاکٹر مظہر بقا کے الفاظ میں:۔

"شاہ صاحبؒ چونکہ صوفی شرب رکھتے ہیں۔ اس لئے خود ان کی زندگی میں کشف کو بڑا دخل

(1) امام بخاری (جامع الصحیح البخاری) کتاب العلم طبعۃ الوابعۃ دمشق ۱۹۹۰ء

حاصل ہے۔ ان کی عام تصنیفات خصوصاً "فیوض الحرمین اور تفہیمات سے ثابت ہے کہ کشف الہام کی روشنی میں وہ اپنا لائحہ عمل متعین کرتے ہیں اور اس کی روشنی میں وہ اپنی زندگی اور افکار کو سنوارتے ہیں"(۱)

کشفیہ طرز استدلال کی مثال

شاہ صاحبؒ نے نبوت کو "تدلّی" الٰہی کی ایک شکل قرار دیا ہے لکھتے ہیں :۔

"نفوس انسانی میں سے حیوانی عادات کی آلودگیوں اور جسم کی شہوانی کیفیات سے تجرد حاصل کرتے ہوئے حظیرۃ القدس کی طرف لپکنے والوں پر اللہ کی مخصوص "تدلّی" پڑتی ہے جو قرب الٰہی کا ذریعہ ہے اور یہ تدلّی نیچے اتر کر مشخّص اور معیّن ہوتا ہے جس کی ایک صورت "نبوت" ہے" (۲)

اس طرح نماز کو بھی "تدلی" الٰہی کی ایک صورت قرار دیا گیا ہے۔

"انسان کے اندر موجود اخلاق اور نفسی کیفیات کے مظاہر ہوتے ہیں جو اس خلق کی نفسی کیفیت کا مادی قائم مقام بن جاتے ہیں اور انہی مظاہر کے ذریعے باطنی کیفیات کی تربیت ہوتی رہتی ہے۔ اس خلق میں سے احسان کی صفت ہے یعنی خداوند تعالیٰ کی جناب میں خشوع وخضوع اور انسان کی طبیعت کا فاسد مادوں سے پاک ہونا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس خلق "احسان" کو منتخب فرمایا اور اس کے لئے نماز کے افعال و اعمال کی شکل میں ارکان منتخب کئے جو اس خلق کی بہترین ترجمانی کرتے ہیں۔ یہ خلق "احسان حظیرۃ القدس کے مقام معلوم کا ایک نمونہ ہے اور یہ مقام معلوم اللہ کی تدلی" (۳) ہے۔

"نبوت" اور "نماز" کی اہمیت اور ان کے مقام کے بارے میں یہ طرز استدلال بلاشبہ عام انسانی

(۱) منظہر بقا، ڈاکٹر (شاہ ولی اللہ اور اصول فقہ) ادارہ تحقیقات اسلامی اسلام آباد ۱۹۷۳ء، بار اول ص: ۴۲۲
(۲) شاہ ولی اللہ (فیوض الحرمین) اردو ترجمہ از پروفیسر محمد سرور ص: ۸۲
(۳) ایضاً ص: ۸۹ -

فہم وادراک سے بالاتر ہے اور یہی طرز استدلال تقریباً" تمام اسلامی احکامات کی توضیح میں اختیار کیا گیا ہے۔

یہ حقیقت ہے کہ شاہ صاحبؒ کے کلام میں کشف اور نقل کے درمیان مکمل مطابقت ہے اور کشف کے ذریعے اسلام کے بعض اہم مابہ النزاع مسائل جیسے فضیلت شیخینؓ، فقہ کے مسالک اربعہ کی یکسانیت وحقانیت کی عقدہ کشائی اور بعض مشکل احادیث کی توضیح کی گئی ہے جو قابل صد تحسین ہے۔ شاہ صاحب کی مقام مجدّدیت قطبیت اور امامت اپنی جگہ مسلّم ہے اور انہی کے طفیل آپؒ نقل اور کشف میں مطابقت قائم کرنے میں کامیاب رہے۔ مگر کشف کا دروازہ مستقل طور پر کھولنے اور اس سے عام کرنے سے بعد کے علماء وصوفیا کے لئے کشف اور نقل میں مطابقت کو قائم رکھنا نہ صرف ناممکن ہوا بلکہ کشف کی آڑ میں بعض کم ظرفوں کی طرف سے فتنہ انگیز دعوے کرنے کا موقع میسر آیا۔

سید ابوالاعلیٰ مودودی کے الفاظ میں:۔

"میں یہ کہنے سے باز نہیں رہ سکتا کہ ان دونوں بزرگوں (مجدد سرہندی اور شاہ ولی اللہ) کا اپنے مجدد ہونے کی خود تصریح کرنا اور بار بار کشف کے حوالے سے اپنی باتوں کو پیش کرنا ان کے چند غلط کاموں میں سے ایک ہے اور ان کی یہی غلطیاں ہیں جنہوں نے بعد کے بہت سے کم ظرفوں کی طرح طرح کے دعوی کرنے اور امت میں نت نئے فتنے اٹھانے کی جرأت دلائی"۔[1]

اسلام دین فطرت ہے۔ اسلام میں احکامات کی تعلیم اور تعمیل دونوں میں انسان کی فطری خصوصیات اور استعداد کی رعایت رکھی گئی ہے۔ اس لئے اسلام میں انسان کی رہنمائی کے لئے کوئی

(۱) مودودی، ابوالاعلیٰ، سید، تجدید احیائے دین، ص: ۱۴۰

ایسے تصورات پیش نہیں کئے گئے جو عقل انسانی کے ادراک کے لئے مشکل ' ناممکن' یا اعجوبہ ہوں اور اسلام کے مبلّغ کے لئے بھی یہ ضروری ٹھہرایا گیا کہ تعلیم دین اور تعمیل دین میں سہولت کے اصولوں کا خاطر خواہ لحاظ رکھے۔ شاہ صاحبؒ کے کلام میں کشف کے امتزاج نے اسلام کی سادہ اور عام فہم تعلیمات کو فہم انسانی کے لئے مشکل بنا دیا ہے۔

فصل دوم

پیچیدہ انداز بیان

شاہ صاحبؒ کے کلام میں ایک مشکل یہ ہے کہ یہ انداز بیان اور مضامین کے اعتبار سے عام ذہنی سطح سے بالاتر اور اخصّ الخواص کے لئے ہے۔ عام فہم نہ ہونے کی وجہ سے ایک متوسط ذہنی اور علمی معیار کا حامل انسان ان کو کماحقہ نہیں سمجھ سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے افکار و نظریات کا چرچا خواص تک محدود ہے۔ ان کی تصانیف اعلیٰ علمی حلقوں میں پڑھی اور سمجھی جاتی ہیں۔ عوامی سطح پر ان سے استفادہ نہیں کیا جا رہا اور نہ کیا جا سکتا ہے۔

شاہ صاحبؒ کی تصانیف عربی اور فارسی زبانوں میں ہیں ان دونوں زبانوں پر انہیں مکمل عبور حاصل تھا۔ آپؒ کا تبحر علمی اور تعمقِ فکری اس پر مستزاد تھا۔ اس لئے اپنے مدعا کا اظہار بھرپور ادبی اور علمی انداز میں کیا۔ جملے اگرچہ مختصر ہیں مگر ثقیل الفاظ کا استعمال کیا۔ نئی اور نامانوس اصطلاحات وضع کیں جنہیں اپنے کلام میں بکثرت اور بار بار استعمال کیا۔

انداز بیان پیچیدہ ہونے کے ساتھ افکار و تصورات میں تعمق بھی بہت زیادہ ہے آپؒ کا کلام مابعد الطبعیاتی، ماورائی اور فلسفیانہ انداز میں ہے جس میں "ملأ اعلیٰ" اور "حظیرۃ القدس" جیسے اعلی و ارفع مفہوم کے حامل تصورات کا ذکر بار بار ملتا ہے۔ حق تو یہ ہے کہ بات کا آغاز ملأ اعلیٰ سے ہو کر پھر ملأ اعلیٰ پر اس کا اختتام ہوتا ہے مثلاً ایک مقام پر " اعمال کا ملکات انسانی سے تعلق" کے ضمن میں لکھتے ہیں:-

ثم ان کثیرامن الاعمال یستقر فی الملأ الاعلی ویتوجه الیه استحسانهم او استهجانهم بالأصاله مع قطع النظر عن الهیئات النفسانیۃ التی تصدر عنها فیکون اداء الصالح منها بمنزلۃ قبول الهام من الملأالاعلی فی التقرب منهم والتشبه بهم واکتساب انوارهم ویکون اقتراف السیئۃ منها خلاف ذلک[1]

ترجمہ : پھر بہت سے اعمال ایسے ہیں جن کا ملأ اعلیٰ میں تقرر ہو جاتا ہے اور ان نفسانی ملکات سے قطع نظر، کہ جن سے وہ اعمال سرزد ہوتے ہیں خود ان اعمال کی خوبی یا برائی ملأ اعلی کی طرف متوجہ ہوتی ہے۔ اس لئے کسی عمدہ کام کا بجا لانا ملأ اعلیٰ سے الہام قبول کرنے کے مترادف ہے جو ان سے تقرب حاصل کرنے ان کے مشابہ ہونے اور ان کے انوار حاصل کرنے کی وجہ سے ہوتا ہے اور گناہ کا ارتکاب کرنا اس کے برعکس ہوتا ہے ۔

دوسرے مقام پر "وضو اور غسل کے اسرار" میں لکھتے ہیں

اعلم ان الانسان قد یختطف من ظلمات الطبیعۃ الی انوار حظیرۃ القدس فیغلب علیه تلک الانوار ویصیر ساعته مابریئاً من احکام الطبیعۃ بوجه من الوجوه فینسلک فی سلکهم ویصیر فیما یرجع الی تجرید النفس کانه منهم ثم یرد الی حیث کان فیشتاق الی ماینا سب الحالۃ الاولی لیغتنمه عند فقدها ویجعله شرکا لاقتناص الفائت

---

(۱) شاہ ولی اللہ (حجۃ اللہ البالغۃ) جلد اول ص: ۹۷-۹۸

منها فيجد بهذه الصفة حالة من احواله وهى السرور والا نشراح الحاصل من هجر الرجز واستعمال المطهرات[1]

ترجمہ : "جان لو کہ انسان کبھی کبھی طبعی تاریکیوں سے جدا ہو کر حظیرۃ القدس کے انور کو حاصل کرتا ہے سویہ انوار اس پر غالب ہو جاتے ہیں اور وہ کچھ عرصے کے لئے طبعی تقاضوں سے آزاد ہو کر ان سے منسلک ہو جاتا ہے اور تجرید نفس کی طرف متوجہ ہونے سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا وہ انہی میں سے ہے اس کے بعد اس کی پھر وہی اصلی حالت ہو جاتی ہے اس وقت وہ پہلی حالت کے مناسب امور کا مشتاق ہو جاتا ہے اور یہ چاہتا ہے کہ اس فوت شدہ حالت کو ان امور سے اپنے دام میں لے آئے اس صفت کی وجہ سے وہ اسی حالت کی طرح سرور اور انبساط پاتا ہے یہ کیفیت اس کو گندگیوں کو ترک کرنے اور پاکیزگیوں کو استعمال کرنے کی وجہ سے حاصل ہوتی ہے۔"

یہ شاہ صاحبؒ کے کلام کا مجموعی انداز ہے۔ محولہ بالا دونوں اقتباسات میں ایسے حالات وکیفیات کا نقشہ کھینچا ہے جس کا تعلق شاید انسان کا اعمال و افعال سے ہو مگر ان کا تصور انسانی ادراک سے یقیناً بعید ہے۔

شاہ صاحبؒ کی اپنی وضع کردہ اصطلاحات نے بھی ان کے کلام کو سمجھنے کے لئے پیچیدہ بنا دیا ہے جن کے بیان میں انہوں نے قدرے ابہام، اجمال اور اختصار سے کام لیا ہے حالانکہ یہ اصطلاحات ایسی ہیں جنہیں سمجھنے کے لئے معقولات ومنقولات کے دفتر کے علاوہ روحانیت کا وسیع پس منظر چاہئے اکثر صورتوں میں یہ پس منظر نہ ہونے کی وجہ سے ان کی آرا کو سمجھنے میں دشواری پیش آتی ہے اور اکثر لوگ ان کے خیالات کو سیاق وسباق سے الگ کر کے غلط سمجھ لیتے ہیں۔

---

(۱)۔ ایضاً ص: ۲۰۹ - ۲۱۰

شاہ صاحبؒ کے اس انداز بیان کے بارے میں یہ بات البتہ قرین انصاف معلوم ہوتی ہے کہ آپؒ اس انداز بیان کے اختیار کرنے میں کسی حد تک معذور تھے۔ کیونکہ فلسفہ وعلم کا استغراق اور رفعت مضامین از خود انداز بیان کو پیچیدہ بنا رہے تھے جنہیں عام اسلوب میں بیان کرنا ناممکن تھا۔ تاہم یہ ایک تلخ حقیقت ہے کہ بیان کی یہ پیچیدگی ان کے قاری کو بڑی مشکلات اور الجھن میں مبتلا کر دیتی ہے۔ اور جمہوری مسلمین آپؒ کے کلام کے ادراک سے محروم رہ جاتے ہیں۔

فصل سوم

واردات قلبی کی بکثرت تصویر کشی

شاہ صاحب نے اپنے کلام میں اپنی واردات قلبی کی بکثرت تصویر کشی کی ہے یہ واردات قلبی اکثر ان کی ذات سے تعلق رکھتی ہیں ان میں اپنے آپ کے نعمت خصوصی سے سرفراز کئے جانے اور اعلیٰ دینی مناصب مجددیت قطبیت اور امامت سے نوازے جانے کا تذکرہ کیا ہے جو ان کی تصانیف "فیوض الحرمین" اور "تفہیمات الٰہیہ" میں بتکرار اور الخیرالکثیر "وحجۃ اللہ البالغۃ" میں جا بجا ملتے ہیں۔

شاہ صاحبؒ نے اپنے علمی وروحانی مقام کا تذکرہ بار بار کیا ہے ایک مقام پر وجود کی تین قسمیں بیان کرنے کے بعد اپنے آپ کو وجود کا کمال حاصل کرنے کا طالب، امام المتقین اور حکمائے ربانیین کی جائے پناہ قرار دیا ہے[1]۔ دوسرے مقام پر خود کو جادہ مستقیم پر فائز اور طریق انبیاءؑ کا پیرو کار بتایا ہے[2] اور متعدد بار اپنے آپ کو خلعت مجددیت قطبیت اور امامت سے سرفراز بتایا ہے[3]

قرب میں اپنے مقام کا تذکرہ اس طرح کیا ہے۔

میرے پروردگار نے مجھے سمجھایا کہ مجھ میں دو جامع اسما کی روشنی منعکس ہوگئی ہے نور اسم مصطفوی اور نور اسم عیسوی علیہما السلام۔ آپؐ افق کے کمال کے قائد ہوں گے جو قرب کے تمام اقالیم کو چھائے گی جو کوئی مقرب بعد میں پیدا ہو گا اس کی ظاہری اور باطنی تربیت میں تیرا دخل رہے گا۔"[4]

بعض اوقات اپنے دل کی عجیب پر اسرار کیفیات بیان کی ہیں مثلاً ایک مقام پر لکھتے ہیں:-

---

(۱) مصنف مذکور الخیرالکثیر، مجلس علمی مدینہ پریس بجنور ۱۳۵۲ھ، ص: ۶۱

(۲) " " تفہیمات الٰہیہ ج ۲ ص: ۱۱-۱۲

(۳) ایضاً ص: ۱۳۳، فیوض الحرمین اسعد ترجمہ از محمد سرور ص: ۱۲۶

(۴) ایضاً ص: ۱۲۰

"مجھ پر اللہ کی طرف سے عجیب حالت طاری ہوگئی' وہ یہ کہ میں اس عالم سے مرگیا اور بغیر بدن کے رہ گیا۔ اس وقت مجھے صرف ایک طرف یعنی تجلیات الٰہی کی طرف التفات تھا جسے میں نے کسب کیا۔ مجھ سے کھانے پینے کے بدنی معاملات چھن گئے جو بدن کے ذرائع ہیں۔ اس وقت میں سمجھ گیا لوگ مجھ جیسے نہیں ہیں۔ بعض گہری نیند سو رہے ہیں جس میں بیداری نہیں۔ بعض بیدار تأسف کر رہے ہیں اور بعض اس عالم کی طرف ملتفت ہیں جہاں سے وہ گزرے ہیں۔

پھر میں دوبارہ اپنی نسمہ اور روح سے بھی مرگیا جسے آپ جو نام دینا چاہیں دیں اس میں جھگڑا نہیں تو عالم دراکہ میں صرف میری انانیت رہ گئی اس عالم میں کوئی باقی نہیں ہوتا۔ بعض حس مشترک' تخیل اور بعض واہمہ میں ہوتے ہیں۔

پھر تیسری بار نفس ناطقہ اور انانیت سے بھی مرگیا اور اس طرح تھا جس طرح ازل میں تھا اس وقت میں نہ تھا نہ وہ بلکہ ایسا انسان جس میں "میں" اور "وہ" اجمالاً جمع ہوتے ہیں' نہ کہ میں اور وہ مفصلاً ۔

پھر چوتھی بار مرا اور اللہ کی طرف جانے والوں میں سے ہوگیا پھر اللہ نے مجھے دوبارہ زندہ کیا اور بنایا تو میں ناسوتیت اور الٰہیت دونوں کا جامع انسان بنا۔ اب میں اگر ناسوتیت کی طرف اشغال رکھوں تو مجھے کوئی ضرر نہ ہو اور الٰہیت کی طرف رکھوں پھر بھی کوئی ضرر نہ پہنچے۔"[1]

شاہ صاحبؒ کے وارداتِ قلبی کی فہرست خاصی طویل ہے۔ نمونہ کے طور پر مذکورہ بالا چند واقعات کے ذکر پر اکتفا کیا جاتا ہے۔ شاہ صاحبؒ واقعتاً علم وعرفان کے اعلیٰ مقام پر فائز تھے ان کے علمی وروحانی مقام میں کسی کو شک اور تردّد نہیں۔ پھر بھی اپنے ان مقامات کا بار بار تذکرہ اور قلبی

---

(۱) ایضاً ص : ۸۲

کیفیات کو ظاہر کرنا بے مقصد معلوم ہوتا ہے۔ ایسی باتوں کا تبلیغ و دعوت اور احیائے اسلام سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ یہ واقعات عام لوگوں کے لئے اعجوبہ اور بعض مکاتب فکر (دیوبندی' بریلوی) کے درمیان مابہ النزاع مسائل بن سکتے ہیں سلف صالحین سے باوجود ان کی روحانی ارتقا کے اس قسم کے کیفیات کا تذکرہ ثابت نہیں۔

فصل چہارم

انتشار مضامین

شاہ صاحبؒ کا کلام اگرچہ مضامین کے لحاظ سے متنوّع ، جامع اور زندگی کے تمام شعبوں پر حاوی ہے مگر یہ مضامین ان کی مختلف تصانیف میں بکھرے ہوئے ملتے ہیں منطقی ترتیب کے ساتھ یکجا نہیں ملتے۔ کسی خاص موضوع سے متعلق آپؒ کے افکار و نظریات سے استفادہ کرنے کے لئے بیک وقت آپؒ کی مختلف تصانیف کا مطالعہ کرنا اور مضامین کو اکٹھا کرنا ایک خاصا کٹھن کام ہے۔

شاہ صاحبؒ کی تصانیف کو مضامین کے لحاظ سے دو حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

۱۔ خاص موضوع پر لکھی ہوئی تصانیف

شاہ صاحبؒ نے بعض خاص موضوعات پر مستقل تصانیف لکھے ہیں جن میں بعض اہم مندرجہ ذیل ہیں۔

"الفوز الکبیر فی اصول التفسیر" یہ اصول تفسیر کے بارے میں ہے۔

"ازالۃ الخلفا عن خلافۃ الخلفاء" جو خلافت کے بارے میں ہے۔

"حجۃ اللہ البالغۃ" یہ اسرار دین کی توضیح کے متعلق ہے۔

"عقد الجید فی احکام الاجتہاد والتقلید" جو اجتہاد اور تقلید کے بارے میں ہے۔

الانصاف فی بیان سبب الاختلاف' یہ صحابہؓ اور فقہا کے درمیان اختلاف کے اسباب و نوعیت بیان کرنے کے متعلق ہے۔

"ھمعات" جو تصوّف کی مختصر تاریخ،تغیرات اور اشغال کے متعلق ہے

ان تصانیف میں مضامین کی ترتیب بڑی حد تک منطقی ہے۔ البتہ حجۃ اللہ البالغۃ اپنے آغاز کے اعتبار سے تو منطقی ہے' شروع میں تمہیدی مباحث خدا کی صفات "ابداع خلق" اور "تدبیر" "عالم مثال" "ملأ اعلیٰ" سنت الٰہی کی تفصیل اور سرّ التکلیف کی توضیح بیان کی گئی ہے مگر آگے جا کر یہ ترتیب ملحوظ نظر نہیں رکھی گئی دوسرے مبحث میں موت اور بعد الموت جزاوسزا کی کیفیت بیان کی گئی ہے۔ تیسرے مبحث میں ارتفاقات اور چوتھے مبحث میں سعادت اور اس کی حقیقت و کیفیت سمجھائی گئی ہے۔ پانچویں مبحث میں "نیکی اور گناہ کی حقیقت" کے عنوان سے عقائد اور عبادات کے اسرار بیان ہوئے ہیں۔

زیادہ بہتر یہ ہوتا کہ سعادت کو بھی تمہیدی مضامین کے ساتھ یا ان کے بعد دوسرے مبحث میں بیان کر دیا جاتا اور اس کے بعد عقائد و ارکان اسلام پر علی الترتیب بحث شروع کی جاتی۔ اور موت کی حقیقت وکیفیت کو جسے ایک علیحدہ اور مستقل مبحث بنایا گیا ہے' عقائد کے ساتھ یا عقائد کے بعد ہی بیان کر دیا جاتا۔

عبادات کے اسرار حصہ دوم میں بھی بیان ہوئے ہیں اور اس باران کے متعلق واردشدہ احادیث کے اسرار کے بیان کے ساتھ ذکر ہوئے ہیں۔ یہ اگر یک جا بیان ہوتے تو استفادہ کے لئے زیادہ سہل الحصول بن جاتے۔

۲۔ متفرق مضامین پر مشتمل تصانیف

شاہ صاحبؒ کی تصانیف کی دوسری قسم وہ ہے جو متفرق مسائل پر مشتمل ہیں ان میں "البدور

البازغة ""الخیر الکثیر" تفہیمات الہیہ اور"فیوض الحرمین" زیادہ قابل ذکر ہیں ان میں عبادات فلسفہ صفات باری تعالیٰ اور مابعد الطبعیات سے متعلق متفرق مضامین بیان ہوئے ہیں اور کسی ترتیب کا سرے سے لحاظ نہیں رکھا گیا"تفہیمات الٰہیہ" اور" فیوض الحرمین" تو علی الترتیب آپؒ کے واردات قلبی اور مکاشفات کے مجموعے ہیں جن میں ترتیب کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

شاہ صاحبؒ کے سامنے اصلاح امت کا بھاری اور عظیم مشن تھا جس کی بجا آوری میں وہ ہمہ وقت منہمک اور سرگرم رہے۔ انہیں ان مضامین کو ترتیب دینے کا وقت نہیں ملا یا اس کام کو درخور اعتنا نہیں سمجھا اس لئے اس سلسلے میں بھی آپؒ کو معذور ہی سمجھنا چاہیے تاہم شاہ صاحبؒ کے کلام سے بہتر استفادہ کرنے کے لئے ان کے ان متفرق مضامین کو نوعیت کے اعتبار سے یکجا کرنا مفید اور اہم کام ہو گا تاکہ یہ فکر ولی اللٰہی کے طالبین کے لئے سہل الحصول بن جائیں۔

بابِ پنجم

شاہ صاحبؒ کے کلام کے اغراض ومقاصد

فصل اول

دعوت واحیائے دین

جیسا کہ عرض کیا جا چکا ہے کہ شاہ صاحبؒ کے کلامی مباحث محض روایتی عقلی موشگافیوں پر مشتمل نہیں تھیں بلکہ اعلیٰ وارفع مقاصد پر مبنی تھیں۔ ان مقاصد میں ایک اہم اور بنیادی مقصد دعوت واحیائے دین ہے۔ انہوں نے اسلامی احکامات کو عقل واستدلال کے لباس میں مزیّن کر کے بالواسطہ یا بلاواسطہ ان کی ترغیب دی۔ اس طرح ان کے کلام میں دعوت واحیائے دین کا عنصر واضح اور نمایاں ہے۔

عام طور پر احیائے دین کے کام میں مندرجہ ذیل تین باتوں کو ملحوظ نظر رکھا جاتا ہے۔

۱۔ دین کے مبادیات (عقائد) کو مختلف آلائشوں اور شبہات سے پاک وصاف کرنا۔

۲۔ دعوت الی القرآن والسنۃ

۳۔ دین کی عمومی تعلیمات کو عصری اسلوب میں موزوں توضیحات کے ساتھ پیش کرنا۔ شاہ صاحبؒ نے اپنے کلام میں اسی منہج کو پوری طرح اپنایا۔

۱۔ <u>احیائے دین میں عقائد کی اہمیت اور اصلاح عقائد میں شاہ صاحبؒ کی مساعی:</u> تجدید واحیائے دین کے کام میں اصلاح عقائد (خصوصاً توحید) کلیدی مقام رکھتا ہے۔ آدم علیہ السلام سے لے کر خاتم النبین حضرت محمد ﷺ تک تمام انبیاء ومرسلین نے اپنی دعوت کا آغاز توحید سے کیا اور اسی کو اپنے پیغمبرانہ کام میں مرکزی اور اساسی اہمیت دے دی۔ ہمارے نبی کریم ﷺ کی زندگی کا نصف سے

زیادہ حصہ (مکی دور) عقائد کی اصلاح میں صرف ہوا۔ عقائد کی اس اہمیت کے پیش نظر شاہ صاحبؒ نے اصلاح عقائد پر خصوصی زور دیا۔ توحید کو قرآن وسنت اور عقائد سلف کے مطابق اس کی اصل شکل میں پیش کرنے کی پوری کوشش کی توحید شرک اور صفات باری تعالیٰ کی صحیح موزون تشریح کر کے توحید پر پڑے ہوئے شرک وبدعت کے داغ دھوڈالے۔

بیان توحید کے ضمن میں شاہ صاحبؒ نے یہ تصریح کی کہ انبیاء علیہم السلام اسی دنیا سے تشریف لے جانے کے بعد ان کی امتوں نے عقیدۂ توحید میں کس طرح شرک کی آمیزش کر دی؟ اور آنحضرت ﷺ کی بعثت کے وقت مشرکین عرب کس قسم کے شرک میں مبتلا تھے کہ جس کی قرآن میں سختی اور شدت کے ساتھ ممانعت اور مذمّت کی گئی ہے۔ وہ یہ کہ مشرکین عرب بعض مخلوقات کے متعلق یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ وہ اللہ کے ہاں مقرب ہونے کی وجہ سے خلعت الوہیت سے سرفراز ہیں ان کی رضامندی سے سعادت،منفعت اور ان ناراضگی سے شقاوت وضرر پہنچتا ہے۔ ان کے تقرب کے ذریعے ہی اللہ تعالیٰ تک رسائی حاصل ہو سکتی ہے۔ اس لئے وہ احترام وعبادت کے مستحق بن گئے ہیں اس تصور کی بنیاد پر انہوں نے ان ہستیوں کی مورتیاں بنا کر ان کی طرف متوجہ رہنے کا وسیلہ بنا دیا تھا۔(۱)

یا پھر ان کے معبودوں کی حیثیت ایسی تھی جیسے کسی بڑے شہنشاہ کا خادم بادشاہ کی خدمت کا خوب حق ادا کرے تو شہنشاہ اس کو بادشاہی کا خلعت عطا کرتا ہے اور اپنے ملک کے کسی شہر کا انتظام اس کے متعلق کر دیتا ہے تو وہ اس طرح شہر کے باشندوں کی بات سننے اور ماننے کا مستحق بن جاتا ہے۔(۲)

شرک کی توضیح کے اس تناظر میں شاہ صاحبؒ اس وقت ہندوستان میں رائج مشرکانہ اور غیر اسلامی

---

(۱) شاہ ولی اللہ (الفوز الکبیر فی اصول التفسیر) مطبع مجتبائی دہلی س ن ص : ۵
(۲) ایضاً

رسومات کی اصلاح کرنا چاہتے تھے جو ہندوستانی تہذیب کے زیر اثر مسلمانوں میں نفوذ کر گئی تھیں۔ ان بدعات میں مشائخ کی تعظیم قبر پرستی منتیں ماننا' بزرگوں کے نام قربانی کرنا اور مزارات کا طواف وغیرہ شامل تھیں۔

دعوت الی القرآن والسنة

احیائے دین کے کام میں قرآن وسنت کی تعلیم اور ان طرف دعوت دینا اساسی حیثیت رکھتے ہیں قرآن متقین کے لئے راہ ہدایت ہے[1] نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہدایت پر قائم رہنے اور گمراہی سے بچنے کے لئے قرآن کی اہمیت کو واضح فرمایا ہے۔ آپؐ کا ارشاد ہے۔

"وانی قد ترکت فیکم مالن تضلوا بعدہ ان اعتصمتم بہ کتاب اللّٰہ"[2]

ترجمہ : "میں تم میں وہ چیز چھوڑ کر جا رہا ہوں یعنی اللہ کی کتاب (قرآن) جب تک تم اسے مضبوط تھامے رہو گے' گمراہ نہیں ہو گے۔"

قرآن کے بعد حدیث وسنت اسلامی قانون کا دوسرا بنیادی ماخذ ہے جو قرآن کی عملی تعلیم اور زندگی کا بہترین نمونہ ہے[3] سنت کی پیروی اللہ کی محبت کا ذریعہ[4] اور اس پر عمل کرنا عین اللہ کی اطاعت ہے۔[5]

قرآن وسنت کی اساسی حیثیت کے باوجود شاہ صاحب کے زمانے میں ان سے بے توجہی اور غفلت عام تھی۔ عوام تو قرآن کے مفہوم ہی سے ناآشنا تھے ان کے پیش نظر رسوم رواج تھے۔ دینی حلقوں میں بدعات' رسوم جاہلیت' غیر مسلموں کی تقلید اور غیر اسلامی شعائر اختیار کرنے کی روایت چلی نکلی تھی۔ جب کہ علمی حلقوں میں یونان سے آئے ہوئے علوم' علوم آلیہ' فنون بلاغت اور علم کلام کا

(۱) البقرۃ) ۲ : ۲

(۲) ابوداؤد سلیمان بن اشعث (سنن ابوداؤد) کتاب المناسک مکتبۃ العربیۃ العربی ریاض ۱۹۸۸

(۳) (الاحزاب) ۳۳ : ۲۱ (۴) (آل عمران) ۳ : ۳۱ (۵) (النساء) ۴ : ۸۰

غلبہ تھا۔ [1] حدیث کی طرف توجہ نہیں دی جاتی تھی اور اگر توجہ بھی دی جاتی تو مذہب حنفی کو تائید بہم پہنچانے کی غرض سے [2] شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے اس رجحان کی سختی سے مذمت کی اور رسم رواج، یونانی علوم اور تقلید جامد کو چھوڑ کر قرآن وسنت کی طرف رجوع کرنے کی طرف دعوت دی۔ [3]

شاہ صاحب نے ذاتی طور پر قرآن وسنت کی اشاعت اور تدریس کے کام میں مخلصانہ سرگرمی کا مظاہرہ کیا آپؒ کا ترجمۂ قرآن برصغیر میں قرآن کی تعلیمات کو عام کرنے کے سلسلے میں ایک انقلابی قدم ثابت ہوا۔ اور آپؒ کا مدرسہ رحیمیہ ہندوستان میں حدیث کی سب سے بڑی درس گاہ بن گئی حدیث کی تدریس کے ساتھ ساتھ علم حدیث پر گران مایہ تصنیفات کیں جن میں مؤطا امام مالک کی فارسی شرح مصفّٰی اور اسی کی عربی شرح مسوّٰی اشاعت حدیث کے سلسلے میں آپؒ کی دینی خدمات کا قابل ذکر اور قابل فخر حصہ ہیں۔ ان کے علاوہ آپؒ نے اپنے کلام میں احادیث سے بکثرت استدلال کیا اور احادیث کے مفہوم کی وسیع پیمانے پر اشاعت کی۔

۳۔ روز مرہ معاملات سے متعلق تعلیمات اسلامی کی تشریح۔

احیائے دین کے کام کا ایک بڑا شعبہ روزمرہ معاملات سے متعلق اسلامی احکامات کی عصری اسلوب میں تشریح وتوضیح کرنا ہے ۔ شاہ صاحبؒ نے اس فریضے کو بھی بطریق احسن نبھایا۔ ان کے کلام کا معتدبہ حصہ روزمرہ معاملات سے متعلق تعلیمات اسلامی کی جامع تشریح پر مشتمل ہے جس کے ذریعے انہوں نے ملت اسلامیہ کو اسلامی تعلیمات سے رہنمائی حاصل کرنے پر آمادہ کرنے کی کوشش کی۔ شاہ صاحبؒ نے عبادات اخلاقیات اور معاملات سمیت زندگی کے تمام پہلوؤں سے متعلق اسلامی تعلیمات کی موزون توضیح کی۔ ان تعلیمات کے بیان میں ان کا انداز متکلمانہ ہونے کے ساتھ ساتھ

---

(۱) ۔ ندوی، ابوالحسن علی، سید (تاریخ دعوت وعزیمت) حصۂ پنجم ص: ۱۸۷

(۲) ۔ ایضاً ص: ۱۸۲

(۳) ۔ شاہ ولی اللہ (تفہیمات الٰہیہ) ص: ۲۱۴: ۲۱۵

داعیانہ اور مبلّغانہ بھی ہے۔

گویا شاہ صاحبؒ کا کلام اپنے اسلوب، مشمولات اور انداز کار کے اعتبار سے احیائے دین کی کوشش ہی ہے۔ اور اسے بجا طور پر ان کے کلام کا مقصد قرار دیا جا سکتا ہے۔

فصل دوم

غلبہ دین

ایک غالب دین کی ضرورت کا تصور

شاہ صاحبؒ کے کلام کا دوسرا اہم مقصد غلبہ دین ہے آپؒ نے ایک غالب دین کی ضرورت کا تصور پیش کیا جو مختلف باہم برسرپیکار مذاہب کے درمیان عدل کا قیام عمل میں لائے بقول شاہ صاحبؒ :

"مختلف مذاہب معرض وجود میں آنے کے بعد ہر مذہب والا اپنے مخالف مذہب کو برا بھلا کہتا ہے۔ اس سے انکار اور قتال کرتا ہے حق پوشیدہ رہتا ہے تب ایک ایسے رہنما اور کامل امام کی ضرورت ہوتی ہے جو تمام مذاہب سے ایسا ہی معاملہ کرے جیسا کہ کجرو بادشاہوں سے خلیفہ کرتا ہے" (1)

اسلام ہی غالب دین ہے۔

ایک غالب دین کا تصور پیش کرنے کے بعد شاہ صاحبؒ نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی کہ اسلام ہی وہ دین ہے، جس میں ایک غالب دین کی خصوصیات اور اسباب بدرجہ اتم موجود ہیں۔ انہوں نے ایک غالب دین کی یہ خصوصیات بیان کیں۔

۱۔ اس مذہب کی شریعت کا مادہ وہی ہے جو تمام معتدل اقالیم کے باشندوں کے لئے بمنزلہ قدرتی طریقہ کے ہے۔

۲۔ اس مذہب کے ذریعہ موجود طاقتوں مملکتوں کو مٹا دیا جائے جیسا کہ قیصرو کسریٰ کو مٹا دیا گیا جو

---

(1)۔ شاہ ولی اللہ (حجۃ اللہ البالغۃ) حصہ اول: ص: ۳۲۱

بمنزلہ تمام روئے زمین پر قبضہ کرنے کے تھا۔ غلبہ کے بعد صرف تین درجہ کے لوگ باقی رہیں۔

ا۔ وہ فرقہ جو ظاہراً وباطناً مذہب کا مطیع ہو۔

ب۔ جو مجبوراً ظاہر میں اطاعت کرے اور مخالفت نہ کر سکے۔

ج۔ کافر جنہیں ذلیل کر کے جزیہ لیا جائے۔

۳۔ خلافت کا مناسب انتظام واہتمام کیا جائے۔ (۱)

شاہ صاحبؒ نے اسلام کے غالب دین ہونے کے مندرجہ ذیل اسباب بیان کئے۔

ا۔ اسلام کے شعاروں مسجد، نماز اذان وغیرہ کو عام کیا گیا ہے۔

۲۔ دوسرے مذہب کے شعاروں کو ظاہر یا عام کرنے کی ممانعت کی گئی ہے۔

۳۔ قصاص کے دیتوں، نکاح اور دوسرے سیاسی معاملات میں کافروں کو مسلمانوں کے برابر قرار نہیں دیا گیا ہے۔

۴۔ نیکی اور بدی کے اعمال ظاہرہ کا سختی سے پابند کیا گیا ہے۔ ان کے مصالح اور راز سے آگاہ نہیں کیا گیا۔

۵۔ مذہب کا غلبہ محض تلوار سے نہیں کیا گیا جو عارضی ہے بلکہ اس کے غلبہ کے سلسلے میں ٹھوس، عقلی دلائل قائم کئے گئے ہیں۔ (۲)

---

(۱) ایضاً ص : ۳۴۲ - ۳۴۵

(۲) ایضاً ص : ۳۴۵ - ۳۴۶

اسلامی تعلیمات عقل وبرہان کی رو سے فاتح ہیں

جیسا کہ عرض کیا جا چکا ہے کہ شاہ صاحبؒ کے نزدیک ایک غالب دین کی بنیادی لوازمات میں یہ بات بھی شامل ہے۔ کہ اس کی تعلیمات عقل اور برہان کی رو سے فاتح ثابت ہوں۔ ایک غالب دین کی ضرورت کے ضمن میں شاہ صاحبؒ امام کا یہ فرض قرار دیتے ہیں۔ کہ وہ دین کو غالب کرنے کے لئے صرف تلوار سے کام نہ لے۔ کیونکہ تلوار سے حاصل شدہ غلبہ دائمی نہیں ہوتا۔ بلکہ وقتی اور عارضی ہوتا ہے۔ اس لئے ضروری ہے کہ امام اپنے دین کو برہان، یقینی دلائل اور امور مشہورہ سے ثابت کرے۔[1] ظاہر ہے کہ اسلام میں اس کا پورا پورا اہتمام کیا گیا ہے عقائد (توحید، رسالت، اخرت) کے اثبات میں مظاہر قدرت اور بدیہیات کے حوالے سے نہ صرف معقول اور قوی دلائل قائم کئے گئے ہیں۔ بلکہ دوسرے ادیان ومذاہب والوں کو یہ چیلنج بھی دیا گیا ہے۔ کہ وہ اپنے عقائد وعبادات کے ثبوت میں کوئی نقلی وعقلی دلائل پیش کریں۔

شاہ صاحبؒ نے ذاتی طور پر اسلامی تعلیمات کو عقل وبرہان کی دو سے فاتح ثابت کرنے کے لئے اپنی اعلیٰ فکری اور علمی صلاحیتوں کو بروئے کار لایا۔

"حجۃ اللہ البالغۃ" کی تصنیف اسی سلسلے میں ایک اہم قدم ہے۔ جس میں انہوں نے تمام اسلامی احکامات کو عقل انسانی کی رو سے فاتح غالب اور فطرت انسانی کی تکمیل کے لئے ضروری ثابت کرنے کی کوشش کی۔ اس مقصد کے حصول کے لئے ان کے شوق، لگن اور جذبے کا اعتراف ان الفاظ میں کیا گیا ہے۔

۱۔ ایضاً

"شاہ صاحب" کیا چاہتے تھے" آپ" کی دیرینہ آرزو کیا تھی؟ آپ کس بات کے لئے بے تاب اور فکر مند تھے۔ اس کا مکمل نچوڑ اس آیت کریمہ میں موجود ہے۔(۱)

هو الذی ارسل رسوله بالهدی ودین الحق لیظهره علی الدین کله ولو کره المشرکون(۲)

ترجمہ : وہی ذات ہے جس نے اپنے رسولؐ کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا تاکہ اسے تمام ادیان پر غالب کردے۔ چاہے یہ مشرکین کو ناگوار گزرے"

اسلامی تعلیمات اور ارتفاق چہارم کا اظہار و قیام

شاہ صاحب" نے ارتفاقات کا جو تصور پیش کیا ہے اس میں بھی اسلام کو غالب دین ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ شاہ صاحب" نے معاشرے کو چار ارتقائی مراحل میں تقسیم کیا ہے اور یہ تصریح کی ہے کہ اسلام معاشرے کے ارتقاء کے ہر مرحلے کے مطابق ضروری رہنمائی فراہم کرتا ہے مثلاً ارتفاق ثانی میں اس مرحلے کے رسوم کی اصلاح کرتا ہے(۳) ارتفاق سوم میں معاشرے کو مظبوط سیاسی تنظیم کی ضرورت ہوتی ہے جسے شاہ صاحب" نے خلافت سے تعبیر کیا ہے(۴) اسلام اس کے عملاً قیام کے لئے آیا ہے(۵) البتہ ارتقا کے جس آخری مرحلے تک پہنچنے کے لئے معاشرہ سرگرم عمل رہتا ہے اسلامی تعلیمات اس کے قیام اور اظہار کی طرف رہنمائی بہم پہنچاتے ہیں۔(۶)

غلام حسین جلبانی لکھتے ہیں

"یہ بالکل ظاہر ہے کہ اسلام دنیا میں ارتفاق چہارم کی اقامت کے لئے آیا ہے بالفاظ دیگر بڑی سے بڑی بین الاقوامی طاقت قائم کرنے کے لئے چنانچہ یہ مسلمانوں کا فرض منصبی

---

(۱) غلام حسین جلبانی، (شاہ ولی اللہ کی تعلیم، ص: ۲۲۳ (۲) (الصف) ۶۱ : ۹
(۳) شاہ ولی اللہ (البدور البازغۃ) ص: ۲۶۵ (۴) محسنی شمس الرحمٰن (شاہ ولی اللہ کے عمرانی نظریے) ص: ۱۰۶
(۵) شاہ ولی اللہ (البدور البازغۃ) ص: ۲۶۶ (۶) ایضاً

ہے کہ وہ مذکورہ اتفاق کے قیام کے لئے کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کریں"[1]

یہ شاہ صاحبؒ کی انتہائی بلیغ کوشش ہے کہ آپؒ ایک ترقی یافتہ معاشرے کی خصوصیات کی نشاندہی کرکے یہ ثابت کر رہے ہیں کہ اسلام اس ترقی یافتہ معاشرے کے قیام کے لئے آیا ہے۔ یہ انداز فکر بھی اسلام کو غالب اور فاتح کامل دین ثابت کرنے کی ایک اہم کوشش ہے۔

شاہ صاحبؒ کے کلام کے اغراض ومقاصد میں اہم ترین مقصد عقل اور نقل کے درمیان توافق بھی ہے۔ انہوں نے دین کو انسانی فطرت کے تقاضوں کی تکمیل کے طور پر پیش کیا ہے۔ اس سلسلے میں شاہ صاحبؒ نے مشاہدہ اور تجربہ سے حاصل شدہ نتائج سے استدلال کرکے بتایا ہے کہ جو تقاضے بشریت سلیمہ کے ہیں وہی دین کی تعلیمات ہیں۔

---

(۱) جلبانیؒ غلام حسین (شاہ ولی اللہ کی تعلیم) ص: ۲۶۴

فصل سوم

مختلف نظریات وتصورات اور مکاتب فکر کے درمیان تطبیق اور نکتہ اعتدال کا تعیّن

شاہ صاحبؒ نے اپنے کلام کے ذریعے اسلام کے مختلف مکاتب فکر کے باہمی اختلافات کو ختم کرکے ان کے درمیان اتحاد پیدا کرنے کی کوشش کی آپؒ اپنے آپ کو اس عظیم کام پر مامور سمجھتے تھے۔ اپنے ایک مکاشفے کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

"اس کے بعد خوشبو کی ایک اور لپیٹ آئی اور اس کے ضمن میں مجھ پر یہ ظاہر کیا گیا کہ تمہارے متعلق اللہ کا ارادہ یہ ہے کہ وہ تمہارے ذریعے امت مرحومہ کے منتشر اجزا کو جمع کردے" (۱)

اعتدال کے محرکات ۔

توفیق ایزدی کے ساتھ ساتھ شاہ صاحبؒ کی اعتدال پسندی کے مندرجہ ذیل ظاہری اسباب بھی تھے۔

۱۔ وراثت کا اثر

آپؒ کو اعتدال کی صفت وراثتاً ملی۔ آپؒ کے والد ہر معاملہ میں اعتدال پسند تھے۔ زہدوعبادت میں نہ اتنا تعمق وغلو تھا کہ رہبانیت سے اس کی حدود مل جائیں نہ اتنی بے تکلفی اور

---

(۱) شاہ ولی اللہ (فیوض الحرمین) اردو ترجمہ ص: ۳۲

وسعت کہ تساہل تک بات پہنچ جائے۔[1]

مذہبی معاملات میں ان کا نکتہ نظر لبرل اور ترکیبی تھا۔[2]

۲۔ اساتذہ کا اثر۔ تعلیمی عمل کے دوران بھی اعتدال پسندی کے محرکات پیدا ہوئے آپؒ کے قیام حجاز کے دوران آپؒ کے معروف استاد شیخ ابو طاہر کی اعتدال پسند تھے۔ جو محدث ہونے کے باوجود صوفیا کے معتقد اور ان پر تنقید کرنے سے محترز تھے۔[3] شاہ صاحبؒ کی اعتدال پسندی اور تطبیقی رجحان میں شیخ ابوطاہر کی تعلیم اور گفتگو کا اثر بھی ہے۔ ابو طاہر کے ساتھ شاہ صاحبؒ نے شیخ تاج الدین حنفی کی صحبتوں سے بھی استفادہ کیا۔ شیخ ابوطاہر شافعی تھے اور تاج الدین حنفی[4] یوں شاہ صاحبؒ کو طریقت و شریعت اور مختلف مسالک فقہ کے درمیان تطبیق دینے کے عوامل حاصل رہے اور اسی کے نتیجے میں مختلف مسالک و نظریات میں موجود انتہا پسندانہ رجحانات کو ختم کرکے ان کو ایک دوسرے کے قریب لانے اور تطبیق دینے کی معقول صورت پیدا کر دی درج ذیل میں اس ضمن میں آپؒ کی کاوشوں کا جائزہ پیش کیا جاتا ہے۔

۱۔ طریقت و شریعت کے دو جداگانہ تصورات میں اعتدال

جیسا کہ بتایا جا چکا ہے شاہ صاحبؒ کے عہد میں طریقت و شریعت کے نام سے دو الگ تھلگ اور جداگانہ سلسلے قائم ہو چکے تھے جن کے درمیان وسیع خلیج پیدا ہو چکی تھی دونوں کے پیروکار اپنے آپ کو جادہ حق کے طالب سمجھتے تھے اور ان کے درمیان معارضانہ کشمکش جاری تھی۔

شاہ صاحبؒ نے طریقت و شریعت دونوں کی اپنی اپنی جگہ اہمیت بیان کی اور ان دونوں کو تزکیۂ نفس اور طاعت کے ذریعے تقرب الٰہی کا ذریعہ قرار دیا[5] اور بیک وقت دونوں طریقوں کے حصول کو راہ

---

(۱) ندوی، ابوالحسن علی سید (تاریخ دعوت و عزیمت) حصہ پنجم ص : ۸۶
(۲) قاضی جاوید (افکار شاہ ولی اللہ) ص : ۶۰
(۳) ندوی، ابوالحسن علی، سید (تاریخ دعوت و عزیمت) حصہ پنجم ص : ۱۱۰
(۴) ایضاً ص : ۱۱۲ (۵) سندھی عبید اللہ (شاہ ولی اللہ اور ان کا فلسفہ) ص : ۱۹۲
(۶) شاہ ولی اللہ (فیوض الحرمین) اردو ترجمہ از پروفیسر محمد سرور ص : ۱۸۰ - ۱۸۱

حق کے طالب کا کمال قرار دیا اس طرح ان میں کسی ایک کے اہم اور برحق سمجھنے اور دوسرے کے غیر ضروری اور ناجائز سمجھنے کے انتہا پسندانہ رجحان کو ختم کر دیا۔ (۱)

۲۔ طریقت کے مختلف مسالک میں اعتدال

طریقت و شریعت کے دو جداگانہ تصورات میں نکتہ اعتدال کا تعین کرنے کے ساتھ ساتھ ہر ایک کے ذیلی مسالک و تصورات کے مابین اختلافات کو ختم یا کم کرنے کی کوشش کی۔ چشتیہ، قادریہ، سہروردیہ اور نقشبندیہ کے نام سے صوفیا کے چار مختلف سلسلے تھے۔ جن کے نظریات باہم متصادم تھے۔ شاہ صاحبؒ نے تصوف کی تاریخ کا محققانہ جائزہ لے کر ان چاروں مسالک طریقت کے درمیان اتحاد پیدا کرنے کی کوشش کی اور یہ ثابت کیا کہ تاریخی عمل اور وقت کے تقاضوں کی وجہ سے طریقت کے راستے الگ ہو گئے ہیں درحقیقت طریقت کی اصل ایک ہی ہے۔ (۲)

۳۔ طریقت کے دو تصورات وحدت الوجود اور وحدت الشہود میں اعتدال: طریقت کے شعبے میں وحدت الوجود اور وحدت الشہود کے نام سے دو متعارض تصورات پیدا ہو چکے تھے اول الذکر ابن عربی (م ۶۳۸ھ) کی طرف منسوب ہے اور موخر الذکر کے بانی شاہ صاحبؒ کے پیشرو شیخ احمد سرہندی (م ۱۰۲۴) ہیں۔ ان دونوں تصورات میں بھی اعمال اور افکار کے اعتبار سے شدید اختلافات تھے۔ شاہ صاحبؒ نے ان دونوں کی عمدہ توجیہہ کی۔ (۳) نظری طور پر وحدت الوجود کو تو حق قرار دیا۔ البتہ تزکیہ نفس کے اعتبار سے وحدت الشہود کو ترجیح دی (۴) اسی طرح کسی ایک کی طرف انتہا پسندانہ رجحان رکھنے کی مخالفت کی۔

۴۔ فقہ کے مسالک میں اعتدال

شاہ صاحبؒ نے فقہ اسلامی کی تاریخ کا بھی محققانہ جائزہ لیا۔ صحابہؓ تابعین اور ائمہ اربعہ کے

---

(۱) قاضی جاوید (افکار شاہ ولی اللہ) ص: ۱۳۴
(۲) شاہ ولی اللہ (همعات) ص: ۱۱-۱۲
(۳) قاضی جاوید (افکار شاہ ولی اللہ) ص: ۱۳۰
(۴) شاہ ولی اللہ (فیوض الحرمین) ص ۵۳ تا ۵۷

درمیان اختلافات کے اسباب اور نوعیت کا درست کھوج لگایا۔ خصوصاً صحابہؓ کے درمیان اختلافات کے اسباب کی نشاندہی کر کے اس سے پیدا ہونے والے شکوک وشبہات کا تشفی آمیز انداز میں ازالہ کیا۔ فقہ میں پیدا ہونے والے مختلف مسالک اور تصورات میں راہ اعتدال کا تعین کیا۔ اس ضمن میں فقہ کے ایک مشترک علمی ماخذ کی تلاش ان کا عظیم کارنامہ ہے۔

مولانا عبیداللہ سندھی لکھتے ہیں۔

"شاہ ولی اللہ فقہ حنفی کو امام ابوحنیفہؒ کے شاگرد امام احمد بن الحسن شیبانی (م ۱۸۹ھ) کی کتابوں سے لیتے ہیں۔ ہم دیکھتے ہیں کہ امام محمد اور امام شافعیؒ دونوں امام مالکؒ کے شاگر ہیں اور اس اصل الاصول امام مالک کی مؤطا ہے اور اسی سے مالکی، حنفی اور شافعی پیدا ہوئے اس قاعدہ کلیہ کے بعد وہ ایک قدم اور آگے بڑھتے ہیں۔ چنانچہ وہ دیکھتے ہیں کہ مؤطا امام مالک تمام تر اہل مدینہ کی فقہ پر مشتمل ہے اور اہل مدینہ کی فقہ کا مرکز حضرت امام عمر فاروقؓ کو قرار دیتے ہیں۔ نتیجہ یہ نکلا کہ مالکی، شافعی اور حنفی حضرت فاروق اعظمؓ کے فقہ کی تشریحیں ہیں۔"(۱)

شاہ صاحبؒ نے ایک طرف ایک مشترکہ ماخذ کی نشاندہی کے ذریعے فقہ کے مسالک اربعہ میں اتحاد کی صورت پیدا کر دی۔ دوسری طرف روحانی مکاشفہ کے ذریعے ان تمام مسالک کو درست اور برحق قرار دیا۔(۲)

۵۔ نظریہ تقلید واجتہاد میں اعتدال

تقلید واجتہاد بھی امت مسلمہ میں ایک اختلافی مسئلہ رہا ہے شاہ صاحبؒ سے قبل ایک گروہ ہر

(۱)۔ سندھی عبیداللہ، مولانا (شاہ ولی اللہ اور ان کا فلسفہ) ص: ۴۲-۴۳

(۲)۔ شاہ ولی اللہ (فیوض الحرمین) اردو ترجمہ از محمد سرور ص: ۱۲۳

مسلمان کو خواہ عامی ہو یا خواص براہ راست کتاب وسنت پر عمل کرنے اور معاملہ میں ان سے احکام حاصل کرنے کا مکلف قرار دیتا تھا اور تقلید کی مطلق حرمت کا قائل تھا۔ دوسرا گروہ تقلید کو ہر مسلمان پر واجب قرار دیتا تھا اور اس کے تارک کو سخت فاسق اور ضال سے یاد کرتا تھا۔(۱)

شاہ صاحبؒ نے محسوس کیا کہ امت کو انتشار انارکی سے بچانے اور وسیع پیانے پر اختلافات کو روکنے کے لئے ایک طرف اگر تقلید بہترین انتظامی تدبیر ہے تو دوسری طرف اسلام کی متحرک روح کو بیدار رکھنے اور متنوع مسائل کے حل کے لئے اجتہاد بھی وقت کی اہم ترین ضرورت ہے۔ اس لئے دونوں کی اہمیت کے پیش نظران کے مخصوص حدود اور دائرے مقرر کئے۔

تقلید کی اہمیت وضرورت کے متعلق لکھتے ہیں:۔

"امت نے اتفاق کیا ہے کہ وہ معرفت شریعت میں سلف پر اعتماد کریں گے۔ چنانچہ تابعین نے صحابہؓ پر تبع تابعین پر اور اس طرح ہر طبقہ کے علما نے اپنے سے پہلوں پر اعتماد کیا ہے اور عقل اس کی تحسین پر دال ہے۔ اس لئے کہ شریعت نقل واستنباط سے معلوم ہوئی۔ نقل بغیر اس کے قائم نہیں رہ سکتی کہ ہر طبقہ اسے اپنے پہلوں سے اتصال کے ساتھ لیتا رہے۔ اور استنباط میں بھی مذاہب متقدمین کا علم ضروری ہے تاکہ ان کے اقوال سے بالکل نکل کر اجماع نہ توڑے اور یہ بھی ضروری ہے کہ مذاہب متقدمین پر اپنا قول مبنی کرے نیز اس استنباط میں گذشتہ لوگوں سے مدد لے۔"(۲)

شاہ صاحبؒ نے تقلید کو اس آدمی کے لئے جائز قرار دیا جو شخص صرف رسول اللہ کے قول کا مطیع ہو اس چیز کو حلال سمجھتا ہو، جسے خدا اور اس کے رسول نے حلال ٹھہرایا ہے لیکن وہ نہیں جان

(۱) علی ندوی، ابوالحسن (تاریخ دعوت عزیمت) حصہ پنجم ص: ۲۰۴
(۲) شاہ ولی اللہ (عقد الجید) مترجم ص: ۵۴-۵۵

سکتا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد کیا ہے۔ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مختلف اقوال کو جمع نہیں کر سکتا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کلام سے کوئی امر مستنبط نہیں کر سکتا۔ اس لئے وہ کسی رہنما اور عالم کی پیروی کرتا ہے اور یہ سمجھتا ہے کہ اس کا قول درست ہوا کرتا ہے اور وہ برملا فتوی دیا کرتا ہے اور طریق رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا متبع ہے۔ اگر اس کو معلوم ہو جاتا ہے کہ وہ ایسا نہیں کرتا تو فوراً اس کی متابعت ترک کر دیتا ہے اور اس میں کچھ جھگڑا اور اصرار نہیں کرتا[1] شاہ صاحبؒ نے اس قسم کی تقلید کو تقلید واجب قرار دیا[2] ہے البتہ کسی شخص کی یہ کہہ کر تقلید کرنا کہ اس سے خطا نہیں ہو سکتی اور اس کے قول کے خلاف حدیث صحیح پہنچنے کے بعد پیروی سے باز نہ آنا تقلید حرام ہے۔[3]

دوسری طرف شاہ صاحبؒ نے اجتہاد کی اہمیت کو اجاگر کیا ان کے نزدیک ہر زمانے میں مجتہد منتسب کا وجود فرض کفایہ ہے۔ اگر کسی زمانے میں تمام لوگ اجتہاد سے قطع نظر کریں تو وہ گناہ کے مرتکب ہوں گے۔

اس طرح اجتہاد و تقلید دو متضاد تصورات ہونے کے باوجود شاہ صاحبؒ نے ان کے درمیان حسین ربط و تعلق پیدا کیا' دونوں کی اپنی اپنی جگہ اہمیت واضح کی اور ان کے متعلق بھی انتہا پسندانہ اور غلو آمیز رجحانات کو ختم کر دیا۔

۶۔ شیعہ سنی مکاتب فکر کے اختلافات کو کم کرنے کی کوشش

شاہ صاحبؒ نے شیعہ سنی مکاتب فکر کے درمیان فرقہ وارانہ کشیدگی کو ختم کرنے یا کم کرنے کی بھی کوشش کی۔ اہل سنت کے ترجمان ہونے کے باوصف اپنی فطری اعتدال پسندی اور سلیم الطبعی کی وجہ سے ان دونوں مکاتب فکر کے اختلافی مسائل کے بیان میں رواداری' بے تعصبی اور عدل سے کام

---

(۱) شاہ ولی اللہ (حجۃ اللہ البالغۃ) مترجم ص: ۱۲۲
(۲) " " (عقد الجید) مترجم ص ۱۲۱
(۳) ایضاً ص ۱۲۳

لیا خلافت پر جامع اور موزون بحث کی۔ خلفائے راشدین کی حقانیت کو قرآن اور حدیث کے حوالے سے نہایت مدلّل اور معقول انداز میں ثابت کیا اسلام میں حضرت ابوبکرؓ حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ کے مرتبوں کی درست نشاندہی کی۔ ان میں فضیلت کے معیار کو ذاتی میلان کے برخلاف مکاشفے کے ذریعے متعین کیا۔ آپؒ خود حضرت علیؓ کی فضیلت کا رجحان رکھتے تھے۔ آپؒ کو مکاشفے کے ذریعے ہدایت ہوئی کہ فضیلت کا دارومدار تو امور نبوت پر ہے جیسا کہ علم کی اشاعت اور لوگوں کو دین کا مطیع بنانا حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ اس کام میں فوقیت رکھتے تھے۔ اور سراپا امور نبوت کے کام کے لئے وقف ہو گئے تھے۔ اور وہ فضیلت جس کا مرجع ولایت یعنی جذب وفنا ہے اور جس میں حضرت علیؓ فوقیت رکھتے تھے ایک جزئی فضیلت ہے اور ایک اعتبار سے کم درجہ کی ہے۔[۱]

حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کو خارجی خلافت کے حوالے سے اور حضرت علیؓ کو باطنی خلافت کے حوالے سے ایک دوسرے پر ترجیح دی گئی۔ تاہم اس کے ساتھ اس بات کی بھی وضاحت کر دی گئی کہ بحیثیت مجموعی باطنی خلافت کا درجہ خارجی خلافت سے کم تر ہے۔[۲]

شاہ صاحبؒ تکفیر شیعہ کے معاملے میں بھی محتاط رویہ رکھتے تھے۔[۳]

---

(۱) شاہ ولی اللہ (فیوض الحرمین) اردو ترجمہ ص : ۱۸۳ - ۱۸۴

(۲) قاضی جاوید (افکار شاہ ولی اللہ) ص : ۱۴۳

(۳) ایضاً

فصل چہارم

مسلمانوں کو درپیش سیاسی، معاشرتی اور معاشی مسائل کا حل

شاہ صاحبؒ کے کلام کا ایک اہم مقصد اس وقت مسلمانوں کو درپیش مختلف مسائل کا حل پیش کرنا بھی تھا۔ شاہ صاحبؒ کے گردوپیش میں جو حالات واقعات پیش آرہے تھے۔ وہ ان پر خاموش تماشائی نہیں تھے۔ بلکہ حالات کابغور مشاہدہ اور تجزیہ کر رہے تھے۔ ان حالات پر آپؒ یقیناً فکر مند اور مضطرب تھے۔ مسلمانوں کو درپیش ان مسائل کا حل ڈھونڈنے اور حالات کی اصلاح کرنے میں سنجیدگی سے منہمک اور سرگرم تھے۔

مسلمانوں کے مسائل

اورنگ زیب عالمگیر کی وفات (۱۱۱۸ھ) کے بعد ہندوستان کی عظیم مغلیہ سلطنت کا زوال شروع ہوا۔ ان کی اولاد نااہل، ناتجربہ کار اور عیش وعشرت کا دلدادہ تھی اور حصول اقتدار کے لئے باہم برسرپیکار۔ ان کی طرف سے حصول اقتدار کی کوشش میں مغلیہ تخت شاہی پیہم خونین معرکوں میں گھری اور مدوجزر کا شکار رہی۔ شاہ صاحبؒ کی زندگی (۱۱۱۴ - ۱۱۷۶ھ) میں کل گیارہ تاجدار تخت شاہی پر بٹھائے گئے[1] ان میں سے اکثر کو حصول اقتدار کی کوشش میں بہیمانہ قتل کا نشانہ بنایا گیا۔ ان کی نااہلی اور معرکہ آرائی سے مغلیہ سلطنت کی بنیادیں کمزور مرکزی طاقت کا خاتمہ اور سیاسی انتشار پیدا ہوا۔ سکھ، جاٹ اور مرہٹے باغی اور شرپسند قوتوں کی حیثیت سے ابھرنے لگے جن سے مغلیہ سلطنت کو خطرہ ہونے کے ساتھ ساتھ عام مسلمانوں کی عزت وناموس اور مال وجائیداد بھی محفوظ نہیں رہی۔

---

(۱)۔ ندوی، ابوالحسن علیؒ، سید (تاریخ دعوت وعزیمت) حصہ پنجم ص: ۴۶

امرا اور سلاطین کی عیش و عشرت نے مسلمانوں کو اقتصادی لحاظ سے بدحال اور اخلاقی لحاظ سے پست کر دیا۔ ہندو اور ایرانی تہذیب کے زیر اثر مسلمانوں میں مختلف بدعات فاسدہ اور شرک جلی کی صورتیں مثلاً" قبر پرستی مشائخ کے لئے سجدۂ تعظیمی مزارات کا طواف اور بزرگوں کے نام منتیں مانگنا وغیرہ عام ہو چکی تھیں۔(۱)

مسائل کا حل

ان کٹھن حالات اور مشکل مسائل کا شاہ صاحبؒ نے سنجیدگی سے تجزیہ کیا اور ان کا موزون حل ڈھونڈنے کی کوشش کی۔ سیاسی حالات کی اصلاح کے لئے پہلے تو انہوں نے دہلی کے بادشاہ اور امرا کو مختلف مکاتیب کے ذریعے شاہی اقتدار کو مضبوط بنانے کی تجویز پیش کی اور شاہی افواج کو منظم بنانے کا مشورہ دیا مگر بادشاہ و امراء کی کمزوری نااہلی اور غفلت کی وجہ سے یہ ممکن نہ ہو سکا۔(۲)

بعد میں مرہٹوں نے جب زیادہ طاقت حاصل کر لی۔ اور ہندوستان کے اکثریتی علاقوں (بشمول دہلی) پر قبضہ کر لیا ان کی ریشہ دوانیوں کی وجہ سے لوٹ مار قتل وغارت عام انسانوں خصوصاً مسلمانوں کی آبروریزی حد سے بڑھ گئی تو شاہ صاحبؒ نے ہندوستان کی سیاسی کشمکش میں عملاً حصہ لیتے ہوئے ان کے سدباب کے لئے روہیلہ سردار نجیب الدولہ اور افغانستان کے حکمران احمد شاہ ابدالی کی قوتوں کو متحد کرنے کی ٹھانی۔(۳) شاہ صاحبؒ کے ان اقدامات کے بارے میں صاحب تاریخ دعوت وعزیمت لکھتے ہیں:-

"شاہ صاحبؒ نے اپنی بالغ نظری ہندوستان کی صورت حال کے حقیقت پسندانہ مطالعہ ارکان سلطنت اور امرا دربار کی بے کرداری اور حکمران خاندان کی روز افزوں نااہلی سے دو

(۱) ایضاً ص: ۶۳
(۲) نظامی، خلیق احمد، پروفیسر (شاہ ولی اللہ کے سیاسی مکتوبات) ادارہ اسلامیات لاہور ۱۹۷۸ء ص: ۴-۵، ۱۰-۱۲
(۳) قاضی جاوید (افکار شاہ ولی اللہ) ص: ۱۱۲

حقیقتیں ایسی سمجھ لی تھیں جو روز روشن کی طرح صاف تھیں ایک تو یہ کہ ملک کی پہلی ضرورت اس بے نظمی اور طوائف الملوکی کو دور کرنا ہے جس سے نہ اہل ملک کی جان وعزت و آبرو محفوظ ہے نہ کسی تعمیری کام اور بہتر نظم ونسق کی گنجائش ہے۔ اس لئے مرہٹوں جاٹوں اور سکھوں کی شورش کو روکنا ضروری ہے۔"[1]

دوسری حقیقت اس خطرہ کو دور کرنے کے لئے جنگی صلاحیتوں اور دینی حمیت کا حامل تجربہ کار عسکری قائد اور منظّم سپاہ کی ضرورت ہے۔ اس کام کے لئے شاہ صاحبؒ کی نظر انتخاب احمد شاہ ابدالی (م ۱۷۷۳) پر پڑی جو باصلاحیت ہونے کے ساتھ ہندوستان کے حالات سے واقف بھی تھا۔ وہ ممتاز فوجی قائد مکارم اخلاق اور شرافت نفس کی صفتوں کا جامع اور دین دار تھا۔[2]

اس انتخاب کی دوسری مؤرخین نے بھی تحسین کی ہے۔

"شاہ صاحبؒ نے دو ایسی طاقتوں کا انتخاب کیا جن کے ذریعے مفسدانہ عناصر کی بیخ کنی ہو سکے' یہ نجیب الدولہ (روہیلہ) اور احمد شاہ ابدالی تھے۔ روہیلوں کی فوجی طاقت اور صلاحیت کی تمام مؤرخین نے تعریف کی ہے۔"[3]

نجیب الدولہ اور احمد شاہ ابدلی کی مشترکہ فوجی کارروائی سے ۱۷۶۱ء کو پانی پت کے مقام پر زبردست مقابلہ کے بعد مرہٹوں کو نہ صرف شکست دی گئی بلکہ ان کی پوری طاقت کو ختم کر دیا گیا۔ یہ الگ بات ہے کہ مغل سلاطین کی نااہلی سے حالات اس طرح نہ سنور سکے جس کے شاہ صاحبؒ خواہشمند تھے۔

سیاسی مسائل کے ساتھ ساتھ شاہ صاحبؒ نے معاشی مسائل پر بھی توجہ دی۔ اقتصادی بحران کو سماج کے زوال کا سبب قرار دیا۔ معیشت کی تباہ حالی کے مندرجہ ذیل اسباب کا پتہ لگایا۔

---

(۱) ندوی، ابوالحسن علی، سید (تاریخ دعوت وعزیمت) حصّہ پنجم ص: ۳۱۱

(۲) ایضاً ص: ۳۱۳

(۳) قدسی، عبداللہ (آزادی کی تحریکیں) ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور ۱۹۸۸ء ص: ۶۹

۱۔ لوگوں کا مفید پیشوں کو چھوڑ کر غیر مفید پیشوں میں منہمک ہونا یا بعض مفید پیشوں کو چھوڑ کر سب ایک پیشے پر جھک پڑنا[۱]

۲۔ بیت المال پر بوجھ ہونا یعنی ان غیر مستحق افراد کو بیت المال سے حصہ دینا جن کا بیت المال میں کچھ حصہ نہیں جیسے شعرا و زہّاد وغیرہ۔

۳۔ مزارعین، تاجر اور دوسرے پیشہ وروں پر بھاری ٹیکس عائد کرنا۔[۲]

شاہ صاحبؒ نے یہ تصور پیش کیا کہ جب کسی معاشرے میں ظلم و زیادتی جبر و استبداد اور معاشی استحصال حد سے تجاوز کر جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ لوگوں کو ظلم سے بچانے کے لئے انقلاب کا سامان بہم پہنچاتا ہے ایسا فرد ان پر مسلط کر دیا جاتا ہے جو موجود ظالمانہ نظام کو تہہ وبالا کر دیتا ہے۔

برصغیر کے ان حالات کے تناظر میں شاہ صاحبؒ حجاز میں قیام کے دوران خواب میں ایک انقلاب کا مشاہدہ بھی کر چکے تھے۔

اس طرح شاہ صاحبؒ نے اس وقت برصغیر کے مسلمانوں کو درپیش مختلف مشکلات و مسائل کا نہایت موزوں حل پیش کیا۔ جن پر عمل کیا جاتا تو مسلمانوں کی سلطنت نہ صرف بچ جاتی بلکہ امن واستحکام اور خوشحالی کے ساتھ ارتقا کے منازل بھی طے کر جاتی۔ مگر اس وقت کے حالات نامساعد ہونے کی وجہ سے شاہ صاحبؒ کی تعلیمات کے خاطر خواہ نتائج برآمد نہیں ہوئے بقول شیخ محمد اکرام۔

"یہ تو نہیں کہا جا سکتا کہ وہ مرد گرامی حالات کی پوری اصلاح کر سکا اور جس سیلاب کو عالمگیر جیسا دور اندیش اور مستعد منتظم نہ روک سکا اس کا فوری سدباب ایک مذہبی عالم سے کس طرح ہو سکتا تھا۔ لیکن اس بزرگ کی کوششوں سے اتنا ہوا کہ جب اس سیلاب

---

(۱) شاہ ولی اللہ (حجۃ اللہ البالغہ) جلد اول ص : ۱۳۷

(۲) ایضاً ص : ۱۳۸ : ۱۳۸

کے بند ٹوٹے تو جہاں مسلمانوں کا تخت و تاج اس سیلاب میں بہ گیا تو وہاں تسبیح و سجادہ سلامت رہے۔ سیاسی زوال کے ساتھ قوم کا دینی انحطاط نہ شروع ہو گیا۔[1]"

(۱) محمد اکرام، شیخ (رودِ کوثر) ص: ۵۲۲-۵۲۳

باب ششم

نتائج تحقیق

فصل اول

شاہ صاحبؒ کے کلامی مباحث پر اجمالی تبصرہ

گذشتہ مباحث سے واضح ہوتا ہے کہ شاہ صاحبؒ نے منقولات، معقولات اور مکشوفات کے حسین امتزاج سے ایک نئے علم کلام کی بنیاد ڈالی اور خالص عقلی موشگافیوں کے بجائے قرآن و حدیث کے کلیات سے ماخوذ ایک فلسفہ تیار کیا۔ جس کا مقصد جملہ تعلیمات اسلامی کی کلی، معقول اور مربوط توضیح کے ذریعے انسانیت کے لئے راہ عمل متعین کرنا تھا جس میں ایک طرف قرآن اور حدیث کی تعلیمات سے گہری آگاہی تھی تو دوسری طرف انسانی فطرت سلیمہ کا موزون اور درست مطالعہ و تجزیہ شامل تھا۔ اور ہر دو کے درمیان منطقی اور ناگزیر تعلق کی نشاندہی کی گئی تھی۔ یوں علم کلام کو روایتی عقلیت اور فرقہ وارانہ کشمکش سے نکال کر اسے ایک مثبت اور بلند وارفع مقاصد کی حامل جہت عطا کی گئی۔ رائج الوقت کلامی مسائل کے بیان میں حقیقت پسندی، رواداری اور بے تعصبی سے کام لیا گیا۔ پھر اس کے دائرے کو عقائد اور فلسفیانہ موشگافیوں سے وسیع کرکے انسانی زندگی کے تمام شعبوں سے متعلق تعلیمات اسلامی کی توضیح تک پھیلا دیا گیا تاکہ یہ اتحاد امت کا ذریعہ بن کر اسلام کی سربلندی کا باعث بن سکے۔

کائنات کے جملہ نظام میں ربط و وحدت کا تصور

شاہ صاحبؒ کی تحقیق ایک مربوط اور کلی منہج پر مبنی ہے جس میں خدا، کائنات اور انسان کے قریبی تعلق کی نشاندہی کی گئی ہے۔ خدا کی صفات "ابداع"، "خلق" اور "تدبیر" کا تصور دے کر اس

کی قدرت کاملہ اور عالم میں تصرف کلی کو بیان کیا گیا ہے۔[1] انسانی نفس پر اعمال کے اثرات اور ان کے ناگزیر نتائج کی وضاحت کی گئی ہے۔ ملأ اعلیٰ اور زمین پر موجود انسان کے باہمی تعلق کو بیان کیا گیا ہے کہ نیک اعمال بجالانے والے کے لئے ملأ اعلیٰ کے فرشتے مغفرت اور راحت کی دعا کرتے ہیں جس کا نتیجہ انسان کے لئے آرام راحت و فرحت کی شکل میں ہوتا ہے اور بدکار پر لعنت بھیجتے ہیں جس سے اسے تکلیف اور دکھ پہنچتا ہے۔[2]

اس تصور سے جملہ نظام و معاملات کائنات میں مکمل وحدت اور اعمال انسانی کے منطقی نتائج کی نشاندہی ہوتی ہے۔

فطرت انسانی کے خصائص کا تجزیہ

شاہ صاحبؒ کے کلام میں ایک اور اہم بات فطرت انسانی کا درست اور مناسب مطالعہ ہے۔ آپؒ نے انسان کی فطری خصوصیات، استعداد اور صلاحیتوں کا صحیح تجزیہ کیا یہ مطالعہ اور تجزیہ فطرت انسانی اور تعلیمات اسلامی کے درمیان ربط کو سمجھنے کے لئے بہت اہم ہے اسی کے ادراک سے ہی انسان کے لئے مذہب کی ضرورت و اہمیت وافادیت کی وضاحت ہوتی ہے۔ مثال کے طور پر شاہ صاحبؒ نے سرّ التکلیف میں مختلف مخلوقات، نباتات اور حیوانات کی مخصوص خصوصیات کو معہ ان کے ناگزیر لوازمات کے بیان کرنے کے بعد بتایا ہے انسان میں ان کے برعکس عقل و خرد اور قوت عمل کی اضافی اور پختہ خصائص رکھے گئے ہیں اور انہی کے نتیجے میں اسے احکامات شرع سے مکلّف کیا گیا ہے۔[3]

انسان کو دو متضاد قوتیں قوت ملکیت اور قوت بہیمیت ودیعت کی گئی ہیں قوت ملکیت نیک

---

(۱) شاہ ولی اللہ، حجۃ اللہ البالغۃ، جلد اول ص: ۴۷ - ۵۰

(۲) ایضاً ص: ۵۹

(۳) ایضاً ص: [illegible]

اعمال بجالانے کی صلاحیت کا نام ہے جبکہ قوت بہیمیت حیوانی خواہشات کی تکمیل کا ذریعہ ہے۔ ان دو قوتوں میں باہمی کشمکش رہتی ہے۔

نیک اعمال بجالانے سے قوت ملکیت پروان چڑھتی ہے اور برے اعمال میں گرفتار ہونے سے قوت بہیمیت کی نشونما ہوتی ہے۔[۱] انسان اپنی زبان استعداد سے یہ خواہستگار رہتا ہے کہ اس پر ایسے احکامات عائد کئے جائیں جو اس کی قوت ملکیت کو پروان چڑھانے اور قوت بہمیت کو دبانے کے موجب ہوں۔[۲] اسلام کے جملہ اوامر نواہی میں عموما" اور روزہ کی فرضیت میں خصوصا" یہی مقصد کار فرما ہے۔[۳]

شاہ صاحبؒ کے نزدیک خدا کی معرفت اور اطاعت انسانی فطرت کا خاصہ ہے۔ مذہب سے اس کی اس فطرت کی تکمیل ہوتی ہے۔

بحیثیت نظام حیات اسلام کی امتیازی خصوصیات کو نمایاں کرنا

اسلام دین برحق ہے۔ اسلامی شریعت نے تمام سابقہ شریعتوں کو منسوخ کر دیا۔ اب شریعت اسلامی کے بغیر اور کوئی شریعت یا نظام حیات قابل عمل نہیں۔ ارشاد باری تعالی ہے۔

ان الدین عندالله الاسلام[۴]

ترجمہ : "(مقبول) دین تو اللہ کے نزدیک اسلام ہی ہے۔"

مسلمانوں کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ وہ اپنے تمام شعبہ زندگی میں اسلامی تعلیمات پر عمل پیرا ہوں۔ اسلام کے سوا دوسرے تمام ادیان یا نظام حیات کو شیطانی قدم قرار دیا گیا ہے۔

یاایھاالذین امنوا ادخلوافی السلم کافة ولاتتبعوا خطوات الشطین انه

---

(۱) ایضاً ص : ۷۱
(۲) ایضاً ص : ۷۲
(۳) ایضاً ص : ۲۲۱
(۴) (آل عمران) ۳ : ۱۹

لکم عدو مبین۔(۱)

ترجمہ : "اے ایمان والو۔ اسلام میں پورے پورے داخل ہو جاؤ اور شیطان کے قدم پر نہ چلو۔ یقیناً" وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔"

اسلام واحد دین حق ہونے کی حیثیت سے اس میں تمام مطلوبہ امتیازی خصوصیات رکھی گئی ہیں۔ ان خصوصیات میں اسلامی تعلیمات کا فطرت سلیمہ کے مطابق ہونا' معیار عقل پر پورا اترنا اور تعلیمات کی ایسی جامعیت اور اکملیت جو قیامت تک ہر دور کے تغیر پذیر اور ارتقا پذیر معاشرے کے لئے مکمل رہنمائی کا سامان بہم پہنچا سکے' شامل ہیں اور اسی جامعیت اور اکملیت کو اللہ تعالیٰ نے اتمام نعمت سے تعبیر فرمایا ہے۔

الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی و رضیت لکم الاسلام دینا۔(۲)

ترجمہ : "آج کے دن میں تمہارے لئے دین کو مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی اور اسلام کو بطور دین تمہارے لئے پسند کر لیا۔"

شاہ صاحبؒ کا کلام اسلام کے مذکورہ بالا امتیازی خصوصیات کو نمایاں اور اجاگر کرنے کی عمدہ کوشش ہے۔ آپؒ نے اسلامی احکام کے مصالح کی توضیح کے ذریعے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے یہ احکامات و تعلیمات واقعتاً نعمت خداوندی ہی ہیں۔

بعض اہم احکامات الٰہی کی تکمیل و تعمیل

شاہ صاحبؒ اشارہ ایزدی سے اپنے آپ کو بعض دینی فرائض کی بجا آوری پر مامور سمجھتے تھے جن

---

(۱) (البقرہ) ۲ : ۲۰۸
(۲) (النساء) ۴ : ۳

میں دو زیادہ اہم ہیں۔

۱۔ ملت مسلمہ کی شیرازہ بندی

۲۔ اسلامی احکامات کی عصری اسلوب میں اشاعت۔

سطور ذیل میں ان کی مختصر وضاحت کی جاتی ہے

۱۔ ملت اسلامیہ کی شیرازہ بندی

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحلت سے لے کر شاہ صاحبؒ کے عہد تک مختلف عوامل کی وجہ سے اسلام میں قدرتی طور پر مختلف مکاتب فکر ظہور پذیر ہو چکے تھے جن میں بعض انتہا پسند اور بعض معتدل فکر و عمل کے حامل تھے۔ غالی اور متشدد مکاتب فکر کی باہمی رنجش بذات خود ملت اسلامیہ کے لئے پریشانی اور فساد کا باعث تھی تو معتدل نقطہ نظر رکھنے والے مکاتب کے درمیان اختلافات کا وجود بھی ان مکاتب کے درمیان حق و صداقت کا تعین کرنے میں مسلمانوں کو تذبذب میں ڈال رہا تھا۔ طریقت و شریعت کے نام سے اسلامی احکامات کی دو جداگانہ تقسیم پھر ان کی ذیلی تقسیم' مسالک صوفیاو فقہ' تقلید اور اجتہاد ان اختلافات کے مظاہر تھے۔

امت مسلمہ کے اتحاد کے لئے قرآن اور حدیث میں جو تاکیدی احکامات دیے گئے ہیں ان کی رو سے شاہ صاحبؒ کو اپنی ذمہ داری کا پورا پورا احساس تھا۔ آپؒ کے پیش نظر قرآن مجید کی یہ آیت کریمہ تھی:

واعتصموا بحبل اللّٰہ جمیعا ولا تفرقوا (۱)

---

(۱) (آل عمران) ۳ : ۱۰۲

ترجمہ : "اور تم سب مل کر اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھامے رہو اور تفرقہ نہ کرو"

ایک روحانی مکاشفے کے ذریعے بھی شاہ صاحبؒ کو اشارہ مل چکا تھا کہ ملت کی شیرازہ بندی جو وقت کی اہم ترین ضرورت ہے آپؒ کے ذمے ڈال دی گئی ہے۔[1] اس اہم فریضے کی ادائیگی کے لئے آپؒ نے ملت کو قرآن و سنت پر یکجا کرنے کی کوشش کی جو ان کے درمیان اتحاد کا واحد مضبوط اور مؤثر ذریعہ تھا جیسا کہ خود مذکورہ بالا آیت کریمہ میں اس کی صراحت کر دی گئی ہے۔ چنانچہ شاہ صاحبؒ نے ذاتی طور پر جامد تقلید شخصی یا کسی مکتب فکر کے مستنبط اصول و قواعد کے بجائے براہ راست قرآن وسنت کو اپنے کلام کی اساس بنایا اور دوسروں کو بھی اس منہج کو اپنانے کی دعوت دی جس کی بدولت بہت سے بے معنی اختلافات کا خاتمہ ہوگیا فروعی مسائل میں صحابہؓ، فقہا' محدثین اور صوفیا کے درمیان اختلافات کی اصل وجوہات کی نشاندہی کی جس کے نتیجے میں ان اختلافات کی وجہ سے مسلمانوں کے ذہنوں میں پائے جانے والے شکوک و شبہات کا ازالہ ہوگیا۔ اختلافی نظریات و تصورات کی توضیح میں معتدل اور پرخلوص انداز فکر اختیار کیا جس کی بدولت مختلف مسالک اور تصورات کے درمیان انتہا پسندانہ اخلاقی رجحانات میں کمی اور نرمی آگئی اور طالبان حق کے لئے بے بنیاد اختلافات کو ختم کرنے یا کم از کم ان اختلافات کی بنیاد پر پیدا ہونے والی باہمی منافرت اور تعصب کی شدت کو کم کرنے کا امکان پیدا ہوگیا اس طرح شاہ صاحبؒ نے ملت کی شیزازہ بندی کا اہم فریضہ انجام دیا۔

۲۔ عصری اسلوب میں تعلیمات اسلامی کی توضیح

دوسرا اہم فریضہ جس پر شاہ صاحبؒ اپنے آپ کو مامور سمجھتے تھے' وہ عصری اسلوب میں تعلیمات اسلامی کی توضیح کرنا ہے۔[2] شاہ صاحب کے زمانے میں دور عقلیت کا آغاز ہو چکا تھا۔ سائنسی انکشافات

(۱) شاہ ولی اللہ (فیوض الحرمین) اُردو ترجمہ۔ص : ۲۲۰
(۲) " " (حجۃ اللہ البالغۃ) حصہ اول، مقدمہ

کی وجہ سے انسانی دل و دماغ محسوسات میں الجھ کر رہ گئے تھے۔ مذہب اور مذہبی اقدار کو شک و شبہے کی نظر سے دیکھا جاتا تھا۔ اس بات کی اشد ضرورت محسوس کی جارہی تھی کہ مذہب اسلام کی اہمیت اور تعلیمات اسلامی کی معقولیت کو عصری اسلوب میں مدلّل انداز میں نمایاں کیا جائے۔ خود قرآن کریم میں دعوت دین کے کام کا ایک طریقہ یہ بتایا گیا ہے کہ اس کام کو مؤثر بنانے کے لئے وقت کے تقاضوں کے مطابق حکمت اور دانائی سے کام لیا جائے۔[1] شاہ صاحبؒ اپنی تبحر علمی اور دینی بصیرت کی بنا پر اس اہم فریضے کی ادائیگی کے لئے نہایت موزون تھے اور اس کے لئے انہیں غیب سے اشارے بھی مل چکے تھے۔ چنانچہ اس بے اسلام کی جملہ تعلیمات کی ایسی توضیح کی کہ اس میں دور عقلیت کے انسان کے لئے تشفی اور ترغیب کا مؤثر عنصر موجود تھا۔

شاہ صاحبؒ کا کلام اسلام کی معجزانہ حیثیت کو ثابت کرنے اور اس کی تعلیمات کو سربلند رکھنے کی زندہ جاوید کوشش ہے جو ارتقا پذیر تمدن' نئے معاشی' سیاسی اور عمرانی نظریات کے دوش بدوش تعلیمات اسلامی کی سچی ترجمانی کرتے ہوئے وقت کے تقاضوں کے مطابق آگے بڑھ سکتا ہے۔ مثال کے طور پر شاہ ولی اللہؒ نے صنعتی انقلاب سے بہت پہلے کسی معاشرے کی اخلاقی اور معاشرتی حالت پر معیشت کے ناگزیر الزامات کی نشاندہی کی تھی جو بالاخر انقلاب پر منتج ہوتے ہیں وہ بعد میں وقوع پذیر ہو کر رہ گئے۔[2]

ایسا لگتا ہے کہ تمدنی ارتقا اور سائنسی انکشافات کے ساتھ دین کے بارے میں جو شبہات پیدا ہونے والے تھے' شاہ صاحبؒ کو ان کا قبل از وقت ہی ادراک ہو چلا تھا۔ انگریزی حکومت کے بعد ہندوستان میں مذہب اور مذہبی امور کے متعلق شک اور ارتیاب کا جو دور آنے والا تھا۔ شاہ صاحبؒ

---

(۱) (النحل) ۱۶ : ۱۲۵

(۲) قاضی جاوید (افکار شاہ ولی اللہ) ص : ۹۸

کے کاموں کا بڑا حصہ اس سے بھی تعلق رکھتا ہے۔ خصوصاً" حجۃ اللہ البالغۃ اور "البدور البازغہ" میں آپؒ نے جو کچھ لکھا ہے' ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جو سوالات آئندہ پیدا ہونے والے ہیں۔ ان کا جواب پہلے سے تیار کر کے ہندوستان ہی نہیں بلکہ دنیا کے مسلمانوں کو سپرد کر رہے ہیں۔(۱)

اپنی تعلیمات کے ذریعے شاہ صاحبؒ نے علم و عرفان کی ایک ٹھوس اور مستند بنیاد فراہم کر دی۔ آپؒ کے افکار و نظریات کو علوم و فنون کے تمام اعلیٰ حلقوں میں وقعت کی نظر سے دیکھا جاتا ہے اور ان سے رہنمائی حاصل کی جارہی ہے۔ آپؒ کی یہ واردات قلبی شرمندہ تعبیر ہوگئی۔ "جو کوئی بھی مقرب بعد میں پیدا ہوگا اس کی ظاہری اور باطنی تربیت میں تیرا دخل ہوگا۔(۲) باطنی و ظاہری علوم کے حصول میں کوئی صوفی' فقیہ یا متکلم آپ کی تعلیمات سے بے نیاز نہیں ہوسکتا۔ آپؒ کا یہ مکاشفہ روحانی بھی درست ثابت ہوا کہ "اس موقع پر میرا نام "زکی" اور نقاط علم کا آخری "نقطہ" رکھا گیا۔"(۳)

آپؒ کی وفات کے دو صدی گزرنے کے بعد بھی آپؒ کے پائے کا کوئی عالم پیدا نہیں ہوا۔

شاہ صاحبؒ کے کلام میں علماء کے لئے ہدایات

شاہ صاحبؒ کے کلامی مباحث میں علمائے دین کے لئے عموماً" اور متکلمین کے لئے خصوصاً" بہت سی مفید ہدایات ہیں' جن میں سے مندرجہ ذیل بعض اہم ہدایات کا تذکرہ بے جا نہ ہوگا۔

۱۔ سب سے اہم قابل لحاظ نکتہ یہ ہے کہ علمائے کلام' کلام کو تفنن طبع یا غیر ضروری لفظی و فروعی اختلافات کو اچھالنے کا ذریعہ نہ بنائیں بلکہ اسے اسلام کی عمومی تعلیمات کی توضیح اور ان کی حقانیت و افادیت کو ثابت کرنے کے اعلیٰ وارفع مقصد کے لئے حصول کے لئے کام میں لائیں۔

---

(۱) گیلانی' مناظر احسن' مولانا (تذکرہ شاہ ولی اللہ) نفیس اکیڈمی کراچی ۱۹۸۳ء ص: ۲۲۰
(۲) شاہ ولی اللہ (تفہیمات الہیہ) ج ۲ ، ص: ۹۵
(۳) " " (فیوض الحرمین) اردو ترجمہ ص: ۱۶

۲۔ علما اپنی علمی صلاحیتوں کو کسی خاص مسلک کے ذاتی مفادات' نظریات کا تحفظ کرنے کے بجائے اتحاد بین المسلمین کے کام میں صرف کریں اور اس مقصد کے حصول کے لئے وہ قرآن و سنت کی تعلیمات کو کسی خاص مسلک کے مستنبط اصول و قواعد پر مقدم رکھیں۔

۳۔ اختلافی مسائل کے بیان میں روا داری اور اعتدال سے کام لیں۔ تشدد اور تعصب سے باز رہیں۔

۴۔ وہ دین کی تعلیمات کو متفرق طور پر سمجھنے اور سمجھانے کے بجائے اسلام کو ایک مکمل مربوط نظام حیات کے طور پر سمجھنے اور سمجھانے کی کوشش کریں۔

۵۔ بدعات اور غیر اسلامی رسومات کی بیخ کنی کے لئے ہمیشہ کمربستہ رہیں۔

۶۔ اسلام کی ابدی اور ہمہ گیر تعلیمات کی مخصوص تقاضوں کے مطابق کرتے رہیں۔

۷۔ غلبہ اسلام کی کوشش بہرحال ان کے پیش نظر رہے۔

فصل دوم

شاہ صاحبؒ کے کلام کے اثرات

معقولیت، اعتدال اور حسن توازن کی وجہ سے تعلیم، سیاست اور اخلاقیات پر شاہ صاحبؒ کے افکار کے گہرے اور دورس اثرات مرتّب ہوئے۔دارالعلوم دیوبند کا قیام، سیداحمد شہید کی تحریک اور قیام پاکستان جیسے اہم تاریخی واقعات میں شاہ صاحبؒ کے افکار کے اثرات کو ہرگز نظرانداز نہیں کیاجاسکتا۔ برصغیر کی سیاسی، علمی اور ثقافتی تاریخ میں شاہ صاحبؒ کا نام عہد ساز شخصیتوں کی فہرست میں نمایاں طور پر ملتا ہے۔

شیخ محمد اکرام کے الفاظ میں:

"اگر ہندوستانی مسلمانوں کے عقائد، فقہی روایات اور مذہبی میلانات دیکھے جائیں تو یہ نظر آئے گا کہ جو مذہبی نظام اسلامی ہندوستان میں سب سے زیادہ عام ہے۔ جسے بنگال میں مولوی کرامت علی جونپوری، بہار میں صادق پوری خاندان اور شمالی ہندوستان میں شاہ عبدالعزیز، مولانا سیداحمد بریلوی اور شاہ اسماعیل شہید نے رائج کیا اور جو آج دارالعلوم دیوبند کی بدولت خواص سے گزر کر عوام کو متاثر کر رہا ہے۔ اسے شاہ ولی اللہؒ نے ترتیب دیا۔"(۱)

ایک دوسرے عالم دین نے مدرسہ دیوبند اور شاہ صاحبؒ کے تعلق کو اس طرح بیان کیا ہے۔

"دارالعلوم دیوبند کا سلسلۂ سند حضرت الامام شاہ ولی اللہ صاحبؒ فاروقی قدس سرہ العزیز سے گزرتا

(۱) محمد اکرام، شیخ، (رودِ کوثر) ص: ۵۸۱

ہوا نبی کریم ﷺ تک جا پہنچتا ہے۔

"شاہ صاحبؒ اس جماعت دیوبند کے مورث اعلیٰ ہیں، جن کے مکتب فکر سے اس جماعت کی تشکیل ہوئی، حضرت ممدوحؒ نے اولاً اس وقت کے ہندوستان کے فلسفیانہ مزاج کو اچھی طرح پرکھا۔ پھر علوم شریعت کو ایک مخصوص جامہ میں پیش فرمایا۔ جس میں نقل کو عقل کے جامہ میں ملبوس کر کے نمایاں کرنے کا ایک خاص انداز پنہاں تھا۔ حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی قدس سرہ بانی دارالعلوم دیوبند نے ولی اللہی کے سلسلہ کے تلمیذ سے اس رنگ کو نہ صرف اپنایا جو انہیں ولی اللّٰہی خاندان سے ورثہ میں ملا تھا بلکہ مزید تنور کے ساتھ اس کے نقش و نگار میں اور رنگ بھرا۔ وہی منقولیت جو حکمت ولی اللّٰہی میں معقولات کے لباس میں جلوہ گر تھے، حکمت قاسمیہ میں محسوسات کے لباس میں جلوہ گر ہوگئے۔"(1)

سید ابوالحسن علی ندوی نے شاہ صاحبؒ کے کلام کے وسیع اثرات اس طرح بیان کئے ہیں:۔

"پوری تحتی براعظم (ہندوستان) اور اس سے باہر بھی کتاب و سنت، عقائد حقہ، اشاعتِ توحید خالص، رد شرک و بدعت، اصلاح رسوم، تذکیہ نفس، حصول درجہ احسانی، اعلائے کلمۃ اللہ، جہاد فی سبیل اللہ، حمیت دینی، تاسیس مدرسہ دینیہ، دین کی صحیح تعلیمات کی ترجمانی و تبلیغ کے لئے تصنیف و تالیف اور تراجم قرآن و کتب حدیث و فقہ کا مبارک سلسلہ اس وقت سے لے کر اس وقت تک جاری ہے اگر ان مبارک اقدامات مساعی کی تاریخ دیکھی جائے تو معلوم ہوگا کہ ایک دیے سے دوسرا دیا جلتا رہا اور یہ سب چراغ اس چراغ سے روشن ہوئے جو بارہویں

---

(1) مختصر تاریخ، دیوبند از مولانا قاری محمد طیب (بیس بڑے مسلمان) مرتب عبدالرشید ارشد زاہد بشیر پرنٹرز لاہور ۱۹۸۶ء طبع پنجم ص: ۳۰-۳۱

صدی ہجری کے وسط میں حکیم الاسلام حضرت شاہ ولی اللہ نے اندھیوں کے طوفان میں جلایا تھا۔"[1]

تعلیم کے میدان میں شاہ صاحبؒ کے کلام کے گویا نمایاں اثرات مرتب رہے اس ضمن میں مذکورہ بالا بیانات مبالغے سے پاک ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ آپؒ کے کلام کا اثر سیاست پر بھی پڑا۔ برصغیر میں اٹھنے والی کئی ایک اصلاحی اور انقلابی تحریکوں کو بجا طور پر آپؒ کے کلام سے منسوب کیا جاسکتا ہے۔

"حقیقت یہ ہے کہ ہمارے ملک میں مسلمانوں کے زوال کے بعد جو بیداری پیدا ہوئی اور اس وقت جو اسلامی تحریکیں چل رہی ہیں، ان کے بانی شاہ ولی اللہ ہیں۔"[2]

سید احمد شہد کی تحریک کو خصوصی طور پر شاہ صاحبؒ کے افکار و نظریات کا نتیجہ خیال کیا جاتا ہے۔ سید ابوالاعلی مودودی کے الفاظ میں:

"یہی وجہ ہے کہ شاہ ولی اللہ کی وفات پر پوری نصف صدی بھی نہیں گذری تھی کہ ہندوستان میں ایک تحریک اٹھ کھڑی ہوئی، جس کا نصف العین وہی تھا جو شاہ صاحبؒ نگاہوں کے سامنے روشن کر گئے تھے۔"[3]

اس تحریک کی خصوصیات اور اس پر شاہ صاحبؒ کی تعلیم کے اثرات کے متعلق مولانا موصوف آگے لکھتے ہیں:

"سید صاحب اور شاہ اسماعیل شہید صاحب دونوں معناً ایک ہی وجود رکھتے ہیں اور اس وجود متحد کو میں مستقل بالذات مجدّد نہیں سمجھتا بلکہ شاہ صاحبؒ کی تجدید کا تتمّہ سمجھتا ہوں۔[4]

---

(۱) ندوی، سید ابو الحسن علی، سید (تاریخ دعوت وعزیمت) حصہ پنجم ص: ۳۴۳-۳۴۴

(۲) ثروت صولت (ملت اسلامیہ کی مختصر تاریخ) مطبع گرین پرنٹرز لاہور ۱۹۸۸ء طبع سوم حصہ دوم ص: ۳۹۸

(۳) مودودی، ابوالاعلی، سید، (تجدید احیائے دین) ص: ۱۱۴-۱۱۵

پھر مولانا موصوف ان کی تحریک کی ان نمایاں خصوصیات کی نشاندہی کی ہے جن کی بنا پر اسے صحیح اور حقیقی معنوں میں ایک اسلامی تحریک قرار دی جاسکتی ہے مثلاً یہ کہ انہوں نے اپنے زیر اثر حلقوں میں معاملات اور اخلاق سب میں انقلابی تبدیلیاں پیدا کیں۔ ٹھیک اسلامی طریقے پر جہاد کا اہتمام کیا اور جس چھوٹے سے خطے پر انہیں حکومت کرنے کا موقع ملا وہاں "خلافت علی منہاج النبوۃ" کا نمونہ پیش کر دیا، جس نے عدل و انصاف، مساوات، تحفظ حقوق میں حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خلافت کی یاد تازہ کر دی۔[1]

---

(۱) ایضاً ص: ۱۱۶ - ۱۱۷

فصل سوم

شاہ صاحبؒ کے کام کو آگے بڑھانے کی ضرورت

ا۔ دعوت دین کے سلسلے میں

ب۔ اسلام اور مسلمانوں کو درپیش مسائل کے حل کے سلسلے میں

ج۔ پاکستان کو درپیش مسائل کے حل کے سلسلے میں

مذکورہ بالا تینوں مقاصد کے حصول کے سلسلے میں شاہ صاحبؒ کے کام کو آگے بڑھانے کی ضرورت ہے۔ ان کا مختصر جائزہ پیش کیا جاتا ہے۔

ا۔ دعوت دین کے سلسلے میں

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سلسلہ انبیاء مرسلین کی آخری کڑی تھے۔ آپؐ کے بعد قیامت تک کوئی رسول یا نبی نہیں آئے گا۔ اس لئے ایک طرف آپؐ کی تعلیمات میں جامعیت ' ہمہ گیریت اور عالمگیریت کی منفرد خصوصیات رکھ دی گئیں تو دوسری طرف ان تعلیمات کو زندہ رکھنے اور ان کی اشاعت کے لئے دعوت و تبلیغ کا نظام قائم کیا گیا اور دعوت دین کا اہم فریضہ امت کے سپرد کیا گیا۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام میں دعوت تبلیغ پر بہت زیادہ زور دیا گیا ہے مسلمانوں کی یہ ذمہ داری قرار دی گئی ہے کہ وہ پوری انسانیت کو دین کی دعوت دیں۔ ارشاد خداوندی ہے۔

كنتم خير امة اخرجت للناس تامرون بالمعروف وتنهون عن المنكر وتؤمنون بالله[1]

---

(۱) (ال عمران) ۳ : ۱۱۰

ترجمہ : تم بہترین امت ہو جو لوگوں کے لئے نکالی گئی ہو۔ تم نیکی کا حکم دیتے ہو اور برائی سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔

قرآن مجید کے دوسرے مقامات پر اور احادیث مبارکہ میں متعدد بار مسلمانوں کو دعوت و تبلیغ کی تاکید کی گئی ہے۔

پھر اس دعوت و تبلیغ کو مؤثر اور عنداللہ مقبول بنانے کے رہنما اصول بھی بتا دیئے گئے ہیں۔ ان میں سے ایک اہم اور بنیادی اصول یہ ہے کہ حالات کے تقاضوں کے مطابق مصلحت کے ساتھ اس کام کو چلایا جائے جسے قرآن کریم میں "حکمت" سے تعبیر کیا گیا ہے۔

ارشاد ہوتا ہے۔

ادع الی سبیل ربک بالحکمۃ والموعظۃ الحسنۃ وجادلھم بالتی ھی احسن[1]

ترجمہ : " اپنے پروردگار کے راستے کی طرف حکمت (دانائی) اور اچھی نصیحت کے ساتھ بلاؤ اور ان سے اچھے انداز میں بحث مباحثہ کرو"

اس آیت کریمہ میں جس "حکمت" اور اچھی نصیحت سے کام لینے کا حکم دیا گیا ہے شاہ صاحبؒ کے متکلمانہ مباحث اس کی بہترین تفسیر اور شکل ہیں۔ آج دنیا میں مغربی، لادینی، مادہ پرستانہ اور عقلیت زدہ افکار کا غلبہ ہے۔ جو لوگ اس غلبے کا شکار ہیں وہ کسی بھی عقیدہ، فکر یا نظریہ حیات کو اس کی عقلی تعلیل وتوجیہہ کے بغیر قبول نہیں کرتے اس لئے اس قسم کے لوگوں کے سامنے اسلامی تعلیمات کو بغیر عقلی توجیہہ کے پیش کرنا مفید اور مؤثر نہیں ہوتا لہٰذا عقلی بنیادوں پر دین کی تعلیم اور

---

(۱) (النحل) ۱۶ : ۱۲۵

تبلیغ کے لئے شاہ صاحبؒ کے کلامی مباحث کا مطالعہ اور ان کے متکلمانہ اسلوب کا فروغ ازحد مفید ہو گا۔ تاکہ عہد حاضر کے تقاضوں کے مطابق امت مسلمہ دعوت و تبلیغ کے دینی فریضے سے بطریق احسن عہدہ برآ ہو سکے۔

ب۔ اسلام اور عالم اسلام کو درپیش مسائل کے حل کے سلسلے میں

عہد حاضر میں غیر مسلم دانشور اسلامی احکامات اور اخلاقی اقدار پر تنقید اور اعتراضات کر کے مسلمانوں کے ذہنوں میں شکوک وشبہات پیدا کر رہے ہیں۔ اور ان کے ذرائع ابلاغ عریانیت ' فحاشیت ' شراب نوشی' ازادئ نسواں اور دوسرے سنگین نوعیت کے جرائم اور برائیوں کی ترغیب دے رہے ہیں۔ بدقسمتی سے ان کا اثر اکثر مسلم ممالک میں بسرعت نفوذ کر رہا ہے۔

خود مسلم ممالک کی مذہبی اور اخلاقی حالت درست نہیں۔ ان میں سے اکثر مغربی ممالک کے سیاسی غلام رہ چکے ہیں اور غلامی سے اگرچہ آزادی حاصل کر چکے ہیں تاہم ذہنی طور پر اب بھی ان کے غلام ہیں۔ ان ممالک میں اسلامی عقائد و تعلیمات سے وابستگی صرف نظریاتی حد تک ہے عملی طور پر اسلامی تعلیمات سے انحراف وغفلت اور لاپرواہی عام ہے۔ اور شاید اس کی سزا کے طور پر قرآنی وعید کے مطابق ذلیل وخوار اور اغیار کے سامنے دست نگر ہیں۔ کیونکہ قرآن مجید میں یہ وعید سنائی گئی ہے کہ جو کوئی اللہ تعالی کے بعض احکامات پر ایمان لائے اور بعض کو چھوڑ دے تو آخرت کا عذاب اپنی جگہ ' دنیا میں ذلت اور خواری اس کا مقدّر بنے گی ارشاد ہوتا ہے۔

افتؤمنون ببعض الکتاب وتکفرون ببعض فما جزآء من یفعل ذلک منکم الاخزی فی الحیوۃ الدنیا ویوم القیامۃ یردون الی اشد العذاب وما اللہ بغافل عما تعملون[1]

---

(۱) (البقرہ) ۲ : ۸۵

ترجمہ : سو کیا تم کتاب کے بعض حصوں پر ایمان لاتے ہو اور بعض حصوں کا انکار کرتے ہو سو تم میں سے جو کوئی ایسا کرے تو اس کی جزا سوائے اس کے اور کیا ہے کہ دنیوی زندگی میں رسوا کر دیا جائے اور قیامت کے دن سخت عذاب کی طرف لوٹائے جائیں گے اور اللہ تعالی تمہارے کام سے بے خبر نہیں"۔

اس قرآنی وعید کے مطابق اللہ کے احکامات سے انحراف کرنے اور غفلت برتنے کی دنیوی سزا ذلت وخواری ہے۔ وہ اس طرح کہ اغیار کی نگاہوں میں ان کی کوئی قدر ومنزلت نہیں بحیثیت مومن ان کا جو رعب ونفسیائی دباؤ دوسری اقوام پر مسلّط رہنا چاہیے وہ انہیں حاصل نہیں بلکہ اغیار جو ذلت آمیز سلوک ان سے کرنا چاہیں کر جاتے ہیں۔ مسلم حکومتیں بے دست وپاہیں اور مسلم اقلیتوں میں مسلمانوں کی جان ومال عزت وابرو محفوظ نہیں۔

جہاں تک مسئلے کے پہلے حصے کا تعلق ہے یعنی اسلامی اقدار کا احیاء ' ان کا متکلمانہ دفاع ' اور ان کی طرف ترغیب دینا' تو جیسا کہ بتایا جا چکا ہے شاہ صاحبؒ نے اس سلسلے میں گرانقدر خدمات انجام دی ہیں۔ مظالم کی روک تھام اور معاشرے میں انصاف اور امن کے قیام کے لئے حدود کی ضرورت اور ان کی معقولیت کو جس انداز میں بیان کئے ہیں وہ عہد حاضر میں اسلامی احکامات کے خلاف مستشرقین کے تنقید واعتراضات کا موزون و مسکت جواب ہے معیشت سیاست اور معاشرت کے بارے میں شاہ صاحبؒ کے افکار ونظریات مغربی طرز جمہوریت ومعاشرت سے بڑی حد تک بے نیاز کر سکتے ہیں۔

مسئلے کے دوسرے حصے یعنی اسلامی ممالک کی مذہبی واخلاقی حالت کو درست کرنے کے سلسلے میں

بھی شاہ صاحبؒ کی تعلیمات کا مطالعہ مفید ثابت ہو سکتا ہے جس میں ایک طرف بطور ایک دستور حیات اسلامی تعلیمات کی مربوط شکل میں توضیح کرکے مسلمانوں کو انفرادی واجتماعی طور پر ان پر عمل کرنے کے لئے آمادہ اور مطمئن کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ دوسری طرف بحیثیت غالب دین اسلام کی ممتاز خصوصیات کو اس طرح نمایاں کیا گیا ہے کہ اسے بجا طور پر مسلمانوں کو عالمی سطح پر اپنی تشخص کو ابھارنے برقرار رکھنے اور اقوام عالم کے درمیان ایک آزاد خود مختار اور باوقار قوم کی حیثیت سے ابھرنے کی ایک زندہ تحریک قرار دی جاسکتی ہے۔

ج۔ پاکستان کو درپیش مسائل کے حل کے سلسلے میں

وطن عزیز پاکستان بھی مختلف فکری' سیاسی' اقتصادی اور معاشرتی مسائل سے دوچار ہے۔ فرقہ واریت انتہا کو پہنچ چکی ہے' روزانہ نت نئے مکاتب فکر اور پھر ذیلی مکاتب معرض وجود میں آرہے ہیں۔ ہر فرقہ اپنے مکتب فکر کے عقائد ونظریات کے متعصبانہ دفاع' اشاعت اور مخالف مکاتب فکر کی مذمّت میں سرگرم عمل ہے۔ اسی مہم کے دوران بعض اوقات زور آزمائی زبان اور قلم کے حدود سے نکل کر بندوقوں اور کلاشنکوفوں کی خونین معرکوں تک پہنچتی ہے۔ مساجد تک کے تقدس پامال ہو رہے ہیں۔ ملت اسلامیہ کی فکری' مالی اور بدنی صلاحیتیں اشاعت اسلام اور دفاع اسلام کے بجائے اپنے اپنے مخصوص مکاتب فکر کے مفادات کے تحفظ اور دوسرے مخالف مکاتب کو نیچا دکھانے میں صرف ہو رہی ہیں۔ وقت کا تقاضا ہے کہ ملت میں اتحاد یک جہتی اور اتفاق پیدا کرنے کے لئے فکر ولی اللہی کو مشعل راہ بنایا جائے۔ جس نے سچی لگن خلوص نیت اور توفیق ایزدی سے فرقہ وارانہ اختلافات کو اتار پھینکنے یا کم از کم تعصب سے پاک باہم روا دارانہ سلوک کرنے کے مقدس راز کو پایا تھا اور اسی کے

لئے سرگرم عمل تھا۔ اپنے عہد تک پیدا شدہ تمام مکاتب فکر کے درمیان نکتہ اعتدال کا تعین کر چکا تھا اور عقائد اسلامی کی درست و معیاری توضیح کے ذریعے آئندہ کے لئے اختلافات کا سدباب بھی کر چکا تھا۔

سیاست و معیشت کے میدان میں بھی شاہ صاحبؒ کے کلام کا مطالعہ اور استفادہ ملک کے لئے مفید ثابت ہو سکتا ہے۔ پاکستان معاشی اور سیاسی طور پر مشکل مسائل سے دو چار ہے نوکر شاہی' جاگیرداروں اور سرمایہ داروں کے گٹھ جوڑ سے ایک پیچیدہ صورت حال پیدا ہو گئی ہے جو مختلف انداز سے غریب عوام کو لوٹ کر اپنے ہوس زر کی تسکین کا سامان بہم پہنچا رہے ہیں۔ انہی کے ملی بھگت سے عوام طبقاتی کشمکش کا شکار ہیں۔ امیر امیر تر اور غریب غریب تر بنتے جا رہے ہیں۔ ملک میں مستحکم اور پائیدار سیاسی نظام موجود نہیں۔ ہوس اقتدار کی لامتناہی کشمکش جاری ہے۔

انفرادی اور اجتماعی دونوں شعبہ حیات میں بحیثیت نظام حیات اسلامی تعلیمات سے روگردانی ' غفلت اور لاپرواہی عام ہے۔ اسلام کے سنہرے اخلاقی ' معاشرتی اور تہذیبی اقدار پامال ہو رہے ہیں۔ ان کی عظمت اور افادیت لوگوں کے دلوں سے مٹتی جا رہی ہے۔ اور ان کے بجائے خود ساختہ رسم و رواج جنم لے رہے ہیں۔

ملک کو سیاسی و اقتصادی بحران سے نکالنے کے لئے ضروری ہے کہ ان شعبوں سے متعلق شاہ صاحبؒ کے افکار کی ترویج کی جائے خود شاہ صاحبؒ کے زمانے میں ہندوستان سیاسی اور معاشی بحران کا شکار تھا۔ آپؒ نے ان کے اسباب عوامل کا تجزیہ کر کے ان شعبوں میں مفید اور رہنما تصورات قائم کئے۔ انبیاء کی لائی ہوئی شریعت پر مبنی دینی سیاست کی معقول توضیح و تشریح کی۔ منصفانہ سیاسی نظام اور

معاشرے میں امن واستحکام کے قیام کے لئے بادشاہ اور ارکان سلطنت کے اوصاف وشرائط اور ان کے واجبی فرائض کی موزون انداز میں نشاندہی کی۔ سیاست کے بارے میں شاہ صاحبؒ کے افکار، نظریات قرآن وسنت سے مستنیر، معاشرے کی فطری ضروریات اور تقاضوں کی آئینہ دار اور عوام کی عمومی فلاح وبہبود کے ضامن ہیں۔

اقتصادیات کے شعبے میں بھی آپؒ کے افکار رہنما اصولوں کی حیثیت رکھتے ہیں۔ آپؒ نے امراء کی عیش پرستی، ان کے پرتعیش مشاغل، ایوانوں کی تعمیر عمدہ پکوانوں اور پرفیشن لباسوں کی تیاری میں مستغرق رہنے کو ملک کی معیشت کے لئے خطرناک قرار دیا۔ جس کے نتیجے میں ایک طرف صنعت وحرفت اور زراعت کی ترقی کا اہم کام رک جاتا ہے دوسری طرف غریب عوام پر بھاری ٹیکس کا بوجھ پڑتا ہے۔ یہ تصورات اور تعلیمات اسلامی نظام سیاست اور معیشت پر مبنی علوم کا بیش بہا علمی سرمایہ بن گئے ہیں جس کی وضاحت کے لئے الگ اور مستقل کتاب کی ضرورت ہے مدعا زیر بحث یہ ہے کہ ان افکا کی ترویج سے ہمارے بہت سے معاشی اور سیاسی مسائل بڑی حد تک حل ہو سکتے ہیں۔

شاہ صاحبؒ کے کلام کی اشاعت کے لئے تجاویز

بدقسمتی سے پاکستان میں شاہ صاحبؒ کی تعلیمات کو وہ مقام حاصل نہیں جس کی وہ متقاضی ہیں۔ سطور ذیل میں اس سلسلے میں چند تجاویز پیش کی جاتی ہیں۔

۱۔ شاہ صاحبؒ اپنے کلامی مباحث میں جس منفرد اور مفید انداز کی بنیاد ڈالی ہے اسے عام متعارف کرنے کے لئے پاکستان کی تمام جامعات میں شعبہ علوم اسلامیہ کے نصاب میں خاطر خواہ مقام دیا جائے، خصوصاً ایم، اے اسلامیات کے کورس میں "حجۃ اللہ البالغۃ" کو مکمل شامل کیا

جائے۔

۲۔ اسلامی علوم وفنون کے جملہ شعبوں میں شاہ صاحبؒ کے افکار مستند معیار کے حامل ہیں۔ تعلیمات اسلامی کی جامع توضیح واشاعت میں ان کا کردار تمام مفکرین ' صوفیا اور مشائخ سے بڑھ کر ہے۔ جس کا تقاضا یہ ہے کہ شاہ ولی اللہ کے نام سے ایک مستقل جامعہ کا قیام عمل میں لایا جائے۔

۳۔ شاہ صاحبؒ نے اسلامی تعلیمات کی رو سے زندگی کے تمام شعبوں سے متعلق مفید نظریات اور افکار پیش کئے ہیں۔ اس لئے پاکستان کے تمام جامعات کے دوسرے شعبہ جات معاشیات ' سیاسیات ' فلاسفہ ' عمرانیات اور تعلیم میں ان علوم سے متعلق شاہ صاحبؒ کے افکار پر مبنی ایک ایک پرچے کا کورس شامل کیا جائے۔

۴۔ ابلاغ عامہ کے ذرائع ریڈیو اور ٹیلی ویژن پر شاہ صاحبؒ کے افکار کی بھرپور اشاعت کی جائے۔

۵۔ شاہ صاحبؒ نے مختلف مکاتب فکر کے درمیان جس نکتہ اعتدال کا تعین کیا ہے اس کی روشنی میں پاکستان میں موجود تمام مکاتب فکر کے لئے ایک ضابطہ اخلاق ترتیب دیا جائے تاکہ ان کے درمیان تشدد کے رجحانات کم ہو جائیں۔

مراجع ومصادر

۱۔ القرآن تاج کمپنی لمیٹڈ، کراچی

کتب تفاسیر

۲ تھانوی، اشرف علی، مولانا، بیان القرآن، مکتبۃ الحسن لاہور ۱۴۰۵ھ

۳۔ حقانی، عبدالحق، مولانا، تفسیر حقانی، نور محمد کارخانہ تجارت کتب آرام باغ، کراچی س ن

۴۔ دریا بادی، عبدالماجد، مولانا تفسیر ماجدی تاج کمپنی، کراچی، س ن

۵۔ محمد شفیع، مفتی، مولانا، معارف القرآن ادارۃ المعارف، دارالعلوم کراچی ۱۹۸۴ء

۶۔ مودودی، ابوالاعلیٰ، سید، تفہیم القرآن، ترجمان القرآن لاہور، ۱۹۸۴ء

کتب احادیث

۷۔ ابوداؤد، سلیمان ابن اشعث بحستانی، سنن ابی داؤد، مکتب التربیتہ العربی ریاض، ۱۹۸۸ء

۸۔ بخاری، محمد ابن اسمٰعیل بن ابراہیم بن مغیرہ، امام، صحیح بخاری، دارابن کثیر دمشق، ۱۹۸۷ء

۹۔ ترمذی، ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ، امام، ترمذی، مقبول اکیڈمی سرکلر روڈ لاہور س ن

۱۰۔ مالک بن انس امام، موطا امام مالک، دارالاحیاء التراث العربی بیروت ۱۹۸۵ء

۱۱۔ مسلم بن الحاج القشیری، صحیح مسلم، دارالاحیاء التراث العربی بیروت، س ن

۱۲۔ النسائی، ابو عبدالرحمن، سنن نسائی، مکتب التربیتہ العربی ریاض ۱۹۸۸ء

عام کتب

۱۳۔ ابن خلدون، عبدالرحمن بن محمد، مقدمہ ابن خلدون، لجنتہ البیان العربی قاہرہ ۱۹۶۷ء

۱۴۔ احمد امین، ضحی الاسلام، ج ۳ طبعۃ العاشرہ بیروت البنان س ن

۱۵۔ احمد امین، ظہر الاسلام، ج ۲ طبعۃ العاشرۃ، بیروت، لبنان س ن

۱۶۔ الشہرستانی، محمد بن عبدالکریم، امام، الملل والنحل، مطبعہ الازہر طبعۃ الاولی س ن

۱۷۔ الاشعری، علی بن اسمٰعیل، ابوالحسن، مقالات الاسلامیین، الطبعہ الاولی قاہرہ ۱۹۵۰ء

۱۸۔ " " " " " " " ، الابانۃ عن اصول الدیانۃ حیدر آباد دکن ۱۳۲۱ء

۱۹۔ اصلاحی، صدرالدین، مولانا، افادات شاہ ولی اللہ، اتحاد پریس لاہور، ۱۹۴۴ء

۲۰۔ الایجی، عضدالدین ابن عبدالرحمن بن احمد، قاضی، المواقف، مصر ۱۳۲۵ء

۲۱۔ الغزالی، محمد ابو حامد، احیائے علوم الدین دار المعارف بیروت، لبنان ۱۹۸۲ء

۲۲۔ القاری، ملا علی، شرح فقہ الاکبر، قاہرہ ۱۳۷۵ء

۲۳۔ ایچ بی خان، برصغیر پاک و ہند کی سیاست میں علما کا کردار، قومی ادارہ برائے تحقیق تاریخ و ثقافت اسلام آباد ۱۹۸۵ء

۲۴۔ بدایونی، عبدالحامد، تصحیح العقائد، اردو آرٹ پریس لاہور، س ن

۲۵۔ تھانوی، محمد اعلیٰ، کشاف اصطلاحات الفنون، طہران، س ن

۲۶۔ ثروت صولت، ملت اسلامیہ کی مختصر تاریخ (حصہ دوم) اسلامک پبلیکیشنز، لاہور ۱۹۸۱ء

۲۷۔ جلبانی، غلام حسین، شاہ ولی اللہ کی تعلیم، شاہ ولی اللہ اکیڈیمی، حیدر آباد، ۱۹۶۳ء

۲۸۔ حفیظ صدیقی، ابوالاعجاز، کشاف تنقیدی اصطلاحات، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد ۱۹۹۲ء

۲۹۔ حق محمد، جی اے، اسلامی اصطلاحات، اکیڈیمی معارف اسلامیہ اسلام آباد ۱۹۹۲ء

۳۰۔ حقانی، عبدالحق، مولانا، عقائد اسلام، ادارہ اسلامیات لاہور ۱۹۸۸

۳۱۔ حقانی عبدالحق ،مولانا اردو ترجمہ حجتہ اللہ البالغہ دار الاشاعت کراچی س ن

۳۲۔ راغب الطباخ، علامہ، تاریخ افکار و علوم اسلامی، اردو ترجمہ مولانا افتخار احمد بلخی، اسلامک پبلیکیشنز لاہور ۱۹۸۹ء

۳۳۔ سالک، عبدالجید، مسلم ثقافت ہندوستان میں، اشرف پرنٹنگ پریس لاہور س ن

۳۴۔ سلفی، محمد اسمٰعیل، تحریک آزادی فکر اور شاہ ولی اللہ کی تجدیدی مساعی، چٹان پریس لاہور ۱۹۶۶ء

۳۵۔ سندھی، عبیداللہ، مولانا، شاہ ولی اللہ اور ان کا فلسفہ، سندھ ساگر اکادمی لاہور ۱۹۴۶ء

۳۶۔ شاہ ولی اللہ، البدور البازغة مطبع حیدری لجبت روڈ، کراچی س ن

۳۷۔ " " ازالة الخفاعن خلافة الخلفاء ج ۱ مترجم اردو مولانا عبدالشکور ،قدیمی کتب خانہ کراچی

۳۸۔ " " " ازالة الخفاعن خلافة الخلفا ج ۲ مترجم اردو ترجمہ مولانا اشتیاق احمد، قدیمی کتب خانہ کراچی س ن

۳۹۔ شاہ ولی اللہ ازالة الخفاعن خلافة الخلفاء ج ۳ مترجم اردو ترجمہ مولانا اشتیاق احمد ،قدیمی کتب خانہ کراچی س ن

۴۰۔ " " " "الغوز الکبیر فی اصول التفسیر مطبع مجتبائی دہلی، س ن

۴۱۔ " " " القول الجمیل فی بیان سواء لسبیل، کتب خانہ اشرفیہ کراچی س ن

۴۲۔ شاہ ولی اللہ الانصاف فی بیان سبب الاختلاف ،اردو ترجمہ صدرالدین اصلاحی اسلامک پبلیکیشنز لاہور ۱۹۸۵ء

۴۳۔ شاہ ولی اللہ التفہیمات الہیہ حصہ اول و دوم ،مجلس العلمی وابجیل (سورت) ہند، ۱۳۵۵

۴۴۔ " " " حجۃ اللہ البالغۃ جلد اول و دوم ،قدیمی کتب خانہ آرام باغ کراچی س ن

۴۵۔ " " " الخیر الکثیر، مجلس علمی مدینہ پریس بجنور، ۱۳۵۲ء

۴۶۔ " " " عقد الجید فی احکام الاجتہاد والتقلید، مترجم اردو از مولانا ساجد الرحمن صدیقی مطبع سعیدی کراچی س ن

۴۷۔ شاہ ولی اللہ فیوض الحرمین، اردو ترجمہ پروفیسر محمد سرور، دارالاشاعت کراچی ۱۴۱۲ھ

۴۸۔ " " "" ہمعات ،شاہ ولی اللہ اکیڈمی ،حیدر آباد ۱۹۶۴ء

۴۹۔ شبلی نعمانی، علم الکلام اور الکلام، نفیس اکیڈمی اردو بازار کراچی ۱۹۷۹ء

۵۰۔ عبدالحکیم، ڈاکٹر، خلیفہ، اسلام کا نظریہ حیات اردو ترجمہ، از قطب الدین احمد، ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور ۱۹۵۷ء

۵۱۔ عبدالرحیم، مولانا، اردو ترجمہ الخیر الکثیر، دارالاشاعت کراچی ۱۴۱۲ھ

۵۲۔ عبداللہ شاہ ،مولوی، اردو ترجمہ ہمعات، ادارہ اسلامیات لاہور ۱۹۸۸ء

۵۳۔ عبدالنبی، دستور العلما، مطبعہ دائرہ المعارف النظامیہ دکن مطبع اول س ن

۵۴۔ غلام محمد مصطفےٰ؛ مسلمانان سہارنپور اور تحریک دار العلوم دیو بند؛ ساوتھ ایشین پرنٹرز اینڈ پبلشرز لاہور س ن

۵۵۔ غلام مرتضیٰ ،ملک ،ڈاکٹر؛ شاہ ولی اللہ اور ان کا فلسفہ (مابعد الطبعیات) ملک سنز پبلشرز اینڈ بک سیلرز لاہور س ن

۵۶۔ فلاحی ،عبید اللہ فہد؛ تاریخ دعوت و جہاد برصغیر کے تناظر میں؛ فضلی سنز اردو بازار کراچی ۱۹۸۴ء

۵۷۔ قاضی جاوید؛ افکار شاہ ولی اللہ؛ نگارشات لاہور ۱۹۸۶ء

۵۸۔ ″ ″ مسلم فکر کا ارتقا نگارشات لاہور؛ ۱۹۸۶ء

۵۹۔ قدسی؛ عبداللہ؛ آزادی کی تحریکیں؛ ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور؛ ۱۹۸۸ء

۶۰۔ کاندھلوی؛ محمد ادریس؛ مولانا؛ عقائد اسلام؛ مکتبہ عثمانیہ جامعہ اشرفیہ لاہور س ن

۶۱۔ ″ ″ ″ ″ مولانا؛ علم الکلام؛ مکتبہ صدیقیہ؛ ملتان س ن

۶۲۔ گیلانی؛ مناظر احسن؛ مولانا؛ تذکرہ شاہ ولی اللہ؛ نفیس اکیڈیمی؛ کراچی ۱۹۸۳ء

۶۳۔ لدھیانوی؛ محمد یوسف مولانا؛ اختلاف امت اور صراط مستقیم فروعی مسائل میں مسلک اعتدال؛ کلاسیکل پرنٹرز دہلی س ن

۶۴۔ لدھیانوی ،بشیر احمد ،مولانا امام ولی اللہ اور ان کا فلسفہ عمرانیات و معاشیات؛ گیلانی برقی پریس لاہور ۱۹۴۵ء

۶۵۔ مبارک علی؛ ڈاکٹر مغل دربار؛ نگارشات لاہور؛ ۱۹۸۸ء

۶۶۔ محسنی، شمس الرحمٰن شاہ ولی اللہ کے عمرانی نظریے، سندھ ساگر اکادمی لاہور، ۱۹۸۸ء

۶۷۔ محمد احمد ابو زہرہ، المذاہب الاسلامیہ، مکتبہ الاداب جمامیز، مصر س ن

۶۸۔ محمد اسحاق، ڈاکٹر، علم حدیث میں پاک وہند کا حصہ، اردو ترجمہ شاہد حسین رزاقی ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور ۱۹۷۷ء

۶۹۔ محمد اکرام، شیخ، آب کوثر، ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور ۱۹۸۶ء

۷۰۔ " " " رود کوثر، ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور ۱۹۸۶ء

۷۱۔ " " شیخ موج کوثر، ادارہ اسلامیہ لاہور ۱۹۸۶ء

۷۲۔ محمد سرور، ارمغان شاہ ولی اللہ ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور ۱۹۸۶ء

۷۳۔ محمد میاں، مولانا، علمائے ہند کا شاندار ماضی، مکتبہ رشیدیہ کراچی س ن

۷۴۔ محمد نجم الغنی خان، مولوی، مذاہب اسلام، مولا والا پرنٹرز لاہور ۱۹۷۸ء

۷۵۔ مظہربقا، ڈاکٹر، اصول فقہ اور شاہ ولی اللہ، ادارہ تحقیقات اسلامی اسلام آباد

۷۶۔ مودودی ابوالاعلی، سید، تجدید و احیائے دین، اسلامک پبلیکیشنز لاہور، ۱۹۸۷ء

۷۷۔ نجیب آبادی، اکبر شاہ خان، قول حق، پروگریسو بکس لاہور ۱۹۸۲ء

۷۸۔ ندوی، ابوالحسن علی، سید، تاریخ دعوت و عزیمت حصہ اول مجلس نشریات اسلام کراچی س ن

۷۹۔ " " " " " " " " " " " حصہ دوم مجلس نشریات اسلام کراچی ۱۹۷۹ء

۸۰۔ " " " " " " " " " " حصہ سوم " " " س ن

۸۱۔ " " " " " " " " " " حصہ چہارم " " " " " " س ن

۸۲۔ ندوی، ابوالحسن علی، مولانا، تاریخ دعوت وعزیمت حصہ پنجم مجلس نشریات اسلام کراچی ۱۹۸۴ء

۸۳۔ " " " " " سیرت سید احمد شہید، حصہ دوم، سعید ایچ ایم کمپنی کراچی ۱۹۸۵ء

۸۴۔ ندوی، محمد حنیف، مولانا، عقلیات ابن تیمیہ، ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور ۱۹۸۱ء

۸۵۔ ندوی، مسعود عالم، ہندوستان کی پہلی اسلامی تحریک، مکتبہ اردو، راولپنڈی ۱۳۶۷ھ

۸۶۔ نظامی، خلیق احمد، پروفیسر، سلاطین دہلی کے مذہبی رجحانات، ندوۃ المصنفین دہلی ۱۹۸۵ء

۸۷۔ " " " " شاہ ولی اللہ کے سیاسی مکتوبات، ادارہ اسلامیات لاہور ۱۹۷۸ء

۸۸۔ نعمانی، محمد منظور، مولانا، الفرقان، شاہ ولی اللہ نمبر، محبوب المطابع برقی پریس دہلی، س ن

۸۹۔ نعمانی، محمد منظور، مولانا، تذکرہ مجدد الف ثانی دار الاشاعت کراچی ۱۹۷۷ء

۹۰۔ وحید الدین، سید، علم جدید کا چیلنج، مجلس نشریات اسلام، کراچی ۱۹۸۴ء

(91) - AZIZ AHMAD, PRAFESSOR, ISLAMIC CULTURE

اردو ترجمہ جمیل جالبی DELHI, 1991

(92) - ZUBAID AHMAD DR THE CONTRIBUTION OF INDIA

TO ARABIC LITERATURE ASHRAF PRESS LAHORE, 1968

دوائر معارف

۹۳۔ مقالہ "علم الکلام"، امین اللہ وثیر، دائرہ معارف اسلامیہ دانش گاہ پنجاب جلد ۱۴/۱۹۸۰

۹۴۔ مقالہ "عمرانیات" ظہور احمد اظہر " " " " " " ۱۴/۱۹۸۰

مجلّات

۹۵-

ماہنامہ	الولیٰ	جلد نمبر۱	شمارہ نمبر۵	اگست	۱۹۷۲ء حیدر آباد
"	"	۱	۸۔۹	نومبر/دسمبر ۱۹۷۲ء	"
"	"	۱۰	۲	مئی	۱۹۸۰ء "
"	۱۱"	۳	جون	۱۹۸۰ء	"
"	"	۱۰	۲	نومبر	۱۹۸۶ء "
"	"	۱۱	۱۔۲	نومبر/دسمبر ۱۹۷۷	"
"	۱۱"	۱۳	۳۔۴	دسمبر	۱۹۸۹ء جنوری ۱۹۹۰ء "